رخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں
(لطفؔ بدایونی)

مفتی لطفؔ بدایونی
شخصیت اور شاعری

(مع انتخابِ کلام)

ترتیب و تقدیم
مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

(لطفؔ)

مفتی لطفؔ بدایونی شخصیت اور شاعری

(مع انتخاب کلام)

ترتیب

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف

سلسلۂ مطبوعات (۵۸)

Mufti Lutf Budauni Shakhsiyat Aur Shairi

Edited By : Maulana Usaidul Haq Qadri

عنوان کتاب	:	مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری
ترتیب	:	مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری
طبع اول	:	اگست ۲۰۱۰ء/ رمضان ۱۴۳۱ھ

دعائے مغفرت برائے

حاجی صلاح الدین محمد مومن قادری

منجانب: حاجی عبدالرشید قادری ممبئ

Distributor

Maktaba Jam-e-Noor

422, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-6
Phone : 011-23281418
Mob. : 0091-9358563720

Publisher

Tajul Fahool Academy

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla,
Budaun-243601 (U.P.) India
Phone : 0091-9358563720
E-Mail :tajulfuhool@gmail.com

انتساب

ان تمام شعرائے آستانہ قادریہ

کے نام

جن کی نغمہ سنجیوں کی بازگشت

آستانۂ قادریہ کے درودیوار سے

آج بھی سنائی دیتی ہے۔

اسید الحق قادری

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا شعبہ نشر و اشاعت ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی اور صاحبزادہ گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی فعال قیادت میں اپنے اشاعتی سفر میں مصروف ہے، اکیڈمی کی جانب سے اب تک عربی، اردو، ہندی، انگلش، گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تقریباً ساٹھ کتابیں طباعت و اشاعت کے موجودہ معیار سے ہم آہنگ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں، اور نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

تاج الفحول اکیڈمی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ہر حلقے اور ہر طبقے کی دلچسپی اور ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اشاعتی سفر کو جاری رکھا ہے، خالص علمی اور تحقیقی کتب، ادبی اور شعری نگارشات، عام لوگوں کی تربیت و اصلاح کے لیے آسان اسلوب میں رسائل، باطل افکار و نظریات اور گمراہ فرقوں کے مقابلے میں احقاق حق اور ابطال باطل پر مشتمل کتابیں اور غیر مسلم برادران وطن کے لیے اسلام کے تعارف پر مشتمل سلجھا ہوا دعوتی اور تبلیغی لٹریچر غرض کہ اکیڈمی ان تمام میدانوں میں چھ زبانوں میں اشاعتی خدمات انجام دے رہی ہے۔

ابتدا ہی سے تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں یہ بات شامل تھی کہ خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف اور خانوادۂ قادریہ سے وابستہ علما، مشائخ اور ادبا و شعرا کی قدیم نایاب تصانیف کو از سرِ نو جدید انداز میں منظر عام پر لایا جائے، اور ان عظیم شخصیات کی حیات و خدمات سے موجودہ نسل کو روشناس کروایا جائے، بفضلہٖ تعالیٰ اکیڈمی نے اس سمت میں بھی کامیاب کوششیں کی ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ اکیڈمی کی خدمات قبول فرمائے، ہمیں زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

محمد عبدالقیوم قادری

جنرل سیکریٹری تاج الفحول اکیڈمی

خادم خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

فہرست مشمولات

☆☆☆

ابتدائیہ

تاج الفحول اکیڈمی تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی، توجہات اور دعاؤں کے سایہ میں اپنی منزل کی طرف عزم محکم، عمل پیہم اور جہد مسلسل کے ساتھ سرگرم سفر ہے۔ وہ نادرونایاب کتابیں جن پر تاریخ کی ایک دبیز تہہ جم گئی تھی اور وہ مع اپنے مصنفین کے پردۂ گمنامی میں چلی گئی تھیں، تاج الفحول اکیڈمی کی جواں ہمت اور بلند حوصلہ ٹیم نے ان کو پرانی الماریوں سے نکالا اور ترجمہ، تخریج، تحقیق اور جدید ترتیب کے عمل سے گزار کر ایک نئی زندگی عطا کردی۔

حضرت صاحب سجادہ کی خواہش تھی کہ جب گمنام شخصیات اور پرانی کتابوں کو منظر عام پر لانے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے تو پھر درگاہ قادری کے ان شعرائے آستانہ کی شخصیات اور کلام بھی روشنی میں آنا چاہیے جن کی نغمہ سنجی اور مدحت سرائی کی ایک طویل تاریخ رہی ہے، حضرت کے حکم سے ''تذکرۂ شعرائے آستانہ'' کے نام سے ایک کتاب کی ترتیب کا فیصلہ کیا گیا جس میں گزشتہ ڈیڑھ صدی کے تقریباً اُن چالیس شعرا کا تعارف اور نمونۂ کلام ہو جو درگاہ قادری کے اعراس میں پابندی سے تازہ کلام کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے اور ''شاعر آستانہ'' کے اعزازی خطاب سے نوازے گئے تھے، یہ کتاب ابھی زیر ترتیب ہے۔ اس سے پہلے ان شعرائے آستانہ کے سرخیل مفتی اکرام احمد لطفؔ بدایونی کی شخصیت، شاعری اور کلام کا انتخاب پیش خدمت ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ خالص ادبی تحقیق و تنقید اور شعر وسخن میرا میدان نہیں ہے، بس حضرت کی خواہش کے احترام اور تعمیل حکم میں یہ کام شروع کیا تھا اور انہیں کی دعاؤں کے نتیجے میں اپنے اختتام کو پہنچا۔

مفتی لطف اور درگاہ قادری۔ مفتی اکرام احمد لطفؔ قادری بدایونی (ولادت ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء--- وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) مدرسہ قادریہ بدایوں کے فارغ التحصیل عالم اور حضرت تاج الفحول

مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے دامن کرم سے وابستہ تھے، اپنے اساتذہ اور مشائخ کی عقیدت ومحبت میں سرشار تھے، درگاہ قادری اور مدرسہ قادریہ سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، جس کا اندازہ ان کے منقبتی کلام سے بھی ہوتا ہے۔ مفتی کی شخصیت اور شاعری کا مطالعہ درگاہ قادری سے الگ ہوکر ممکن نہیں ہے، کل بھی درگاہ قادری کی نغمہ سنجی نے ان کو اعتبار و وقار بخشا تھا اور آج بھی وہی نسبت قادریت ان کی شناخت کا حوالہ ہے۔ یہ ان کی مضبوط نسبت اور محکم ربط کا ہی اثر ہے کہ وہ آج بھی درگاہ قادری میں دوسرے شعرائے آستانہ کے ساتھ آرام فرما رہے ہیں۔ شعرائے آستانہ میں سے کسی کا شعر ہے (ممکن ہے مفتی لطفؔ ہی کا ہو)

جیتے جی تو کیا چھٹے گی ہم سے میخانے کی خاک
خاک ہو کر بھی رہیں گے ہم غبارِ میکدہ

مفتی لطفؔ پر یہ شعر اپنی تمام تر معنوی وسعتوں اور مفہوم کی گہرائیوں کے ساتھ صادق آتا ہے۔ لطفؔ اور ان کے بھائی مفتی کرم احمد میخوارؔ جب درگاہ میں دفن ہوئے تو کسی نے بڑی سچی بات کہی

چھوڑا نہ بعد مرگ بھی میخوارؔ و لطفؔ نے
سچ ہی تو ہے کہ جان سے پیارا ہے میکدہ

مفتی لطف پر مضامین - مفتی لطفؔ کی شخصیت اور شاعری کو سمجھنے کے لیے ہم نے دو مضامین کا انتخاب کیا ہے۔ یہ دونوں مضامین ایسے اشخاص کے ہیں جنھوں نے براہِ راست مفتی لطفؔ سے اکتساب فیض کیا ہے۔ خانوادۂ قادریہ کے فرزند عم مکرم مولانا عبدالہادی قادری بدایونی جو مفتی کے پیرزادے تو تھے ہی ان کے خاص شاگرد بھی تھے، اور تقریباً ۱۵ برس انہوں نے مفتی لطف سے استفادہ کیا، اس درمیان انہوں نے لطف کو قریب سے دیکھا، سمجھا، پرکھا اور پھر اپنے مشاہدے کا حاصل مضمون کی شکل میں قلم بند کردیا۔ دوسرا مضمون حضرت دلدار علی مذاقؔ میاں کے خاندان کے ذی علم اور صاحب تصنیف بزرگ محترم ابرار علی صدیقی بدایونی (مقیم حال کراچی) کا ہے، آپ نے بھی لطف کو قریب سے دیکھا اور مشورۂ سخن کیا۔ گویا لطفؔ کی شخصیت کے سلسلے میں ان دونوں حضرات کے مضمون عینی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں، اول الذکر کا مضمون لطفؔ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کے شعری رویے، شاعرانہ مسلک، شعری جہتوں اور شاعرانہ عظمت پر بھی روشنی ڈالتا ہے

جبکہ آخر الذکر نے لطفؔ کی شخصیت ان کے مزاج اور افتادِ طبع کے مختلف گوشوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

عم مکرم ہادی القادری صاحب کا مضمون ''استاذ الاساتذہ'' ان کی صاحبزادی بیگم اکرام احمد رزاقی (اورنگ آباد) نے فراہم کیا۔ یہ مضمون پہلے ماہنامہ جامِ نور دہلی (مارچ ۲۰۰۹ء) میں شائع ہوا، بعد میں ''باقیاتِ ہادی'' میں شامل کرلیا گیا۔ مضمون کی جامعیت کے پیشِ نظر اس کو پھر سے شائع کیا جارہا ہے۔

محترم ابرار علی صدیقی صاحب کا مضمون ''لطفؔ بدایونی'' ماہنامہ مجلّہ بدایوں کراچی کے اگست ۱۹۹۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ یہ شمارہ جناب تسلیم اللہ غوری بدایونی نے فراہم کیا جبکہ پروفیسر آل احمد سرورؔ کا مختصر تأثر ہفت روزہ ہماری زبان لکھنو (ج ۵/شمارہ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۶ء) میں شائع ہوا تھا۔ ہماری زبان کی مذکورہ فائل مکرمی وارث رفیع بدایونی نے فراہم کی، اس تعاون پر ہم ان تینوں حضرات کے شکر گزار ہیں۔

لطف کے تلمذ کا قضیہ - محترم ابرار علی صدیقی صاحب نے لطفؔ کے تلمذ کے سلسلہ میں پہلے تو یہ لکھا کہ ان کو ''فانیؔ بدایونی کی طرح تلامیذ الرحمٰن کے خانہ میں رکھنا چاہیے''، پھر جامیؔ بدایونی کی روایت نقل کی کہ ''لطفؔ نے دو ایک بار حضرت مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی کی خدمت میں اپنا کلام پیش کیا''، اس کے بعد راسخؔ لکھنوی سے تلمّذ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ہمارے خیال میں ممکن ہے کہ کسی دور میں چند ایک بار لطفؔ نے راسخؔ سے بھی مشورہ سخن کیا ہو لیکن وہ از اول تا آخر شعر وسخن میں بھی اپنے پیر زادے حضرت مولانا عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری قدس سرہ کے شاگرد تھے اور حضرت ہی کی تربیت وتعلیم نے ان کو شعر وسخن کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچایا تھا۔ لطفؔ کی شاگری کا یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آپ مولانا ہادی القادری صاحب کے مضمون میں پڑھیں گے یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ استاذی شاگردی کا یہ پورا واقعہ خود لطفؔ سے براہِ راست ہادی صاحب نے سنا تھا اور ایک بار نہیں متعدد بار سنا تھا۔ ہادی صاحب فرماتے ہیں:

آئینہ سازی کی یہ داستان مفتی علیہ الرحمہ نے متعدد مرتبہ سنائی، پھر بھی آج جب

میں اسے لکھ رہا ہوں تو ممکن ہے اس میں لفظی تغیر ہو گیا ہو کیوں کہ میرا شمار
راویان حدیث میں نہیں ہے مگر نقل واقعہ میں سرِ مو تجاوز نہیں ہوا ہے۔

اگر کوئی ذمہ دار اور ثقہ شخصیت براہِ راست صاحب معاملہ سے پوری ذمہ داری اور وثوق سے کوئی روایت کرے تو اس کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

لطف کوئی عالم آدمی نہ تھے - پروفیسر آلِ احمد سرؔور مرحوم نے اپنی تاثراتی تحریر میں لکھا ہے کہ ''لطفؔ کوئی عالم آدمی نہ تھے''، لیکن پروفیسر صاحب کی یہ بات تسلیم کرنے میں ہمیں تأمل ہے اولاً تو خود پروفیسر صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ ''لطف کو انھوں نے بچپن میں دیکھا تھا''، اس کا مطلب ہے کہ شعور پختہ ہونے کے بعد پروفیسر صاحب کو لطفؔ سے کوئی خاص تعلق یا صحبت نہیں رہی پھر پتہ نہیں کیوں محترم نے یہ قیاس کرلیا کہ لطفؔ کوئی عالم آدمی نہ تھے۔ علوم اسلامیہ اور ادبیہ پر لطفؔ کی نظر کے دیگر دلائل وشواہد سے قطع نظر اگر صرف ان کا زیر نظر کلام ہی بغور پڑھ لیا جائے تو یہی پروفیسر صاحب کے اس قیاس کی نفی کے لیے کافی ہے۔ کلام میں قرآنی آیات، احادیث اور سیرت کے مختلف واقعات کی طرف جو تلمیحات ہیں وہ اس بات پر دلیل کافی ہیں کہ لطف بہر حال علوم پر کچھ نہ کچھ نظر ضرور رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ لطفؔ سے براہِ راست فیض یافتہ جناب ابرار علی صدیقی صاحب نے یہ اعتراف کیا ہے کہ:

> تربیت وتعلیم کے ابتدائی مرحلے اپنے گھر میں طے کیے، اس کے بعد آخر تک مدرسہ قادریہ بدایوں میں تحصیل علم کی اور اس زمانے کے مروجہ علوم میں کافی عمدہ دستگاہ بہم پہنچائی۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

> مفتی صاحب مرحوم نہ صرف علومِ عربی وفارسی میں عمدہ استعداد کے مالک تھے بلکہ ان کو شاعری کے فن سے بھی کامل واقفیت تھی۔

مولانا عبد الہادی قادری فرماتے ہیں:

> نہ صرف علوم ادبیہ پر اس کی نگاہ تھی، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث اور فقہ کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جو اسے معلوم نہ تھا، مگر مفتی جی نے جو صرف خاندانی اعتبار سے ہی

نہیں اپنے علم کے اعتبار سے بھی مفتی کہلائے جا سکتے تھے خود کو شاعر کے علاوہ
کسی اور حیثیت سے روشناس نہیں کرایا۔

اس کو آپ ایک شاگرد کی اپنے استاذ کے حق میں نیاز مندی کہہ سکتے ہیں لیکن اگر اس عبارت کو عقیدت مندانہ مبالغہ قرار دے کر مختصر بھی کر لیا جائے پھر بھی اس کے بین السطور میں جو کچھ باقی بچتا ہے اس کے ساتھ بہر حال ''لطفؔ کوئی عالم آدمی نہ تھے'' لگا نہیں کھاتا۔

دراصل بات وہی ہے جو مولانا ہادی القادری صاحب نے کہی کہ مفتی نے خود کو شاعر کے علاوہ اور کسی حیثیت سے روشناس ہی نہیں کروایا۔ انھوں نے اپنی مرنجا مرنج طبیعت اور شاعرانہ وضع قطع میں اپنی علمیت کو ایسا چھپایا کہ دیکھنے والوں کو وہ کسی پہلو سے بھی ''عالم'' نظر نہیں آتے تھے۔ ہادی القادری صاحب لکھتے ہیں کہ:

اکثر کو تو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ژولیدہ موشاعر جید عالم بھی تھا۔

ایسے ہی لوگوں میں پروفیسر آل احمد سرورؔ صاحب بھی ہیں جنھوں نے لطف کو اپنے بچپن میں چند ایک بار دیکھا اور ان کی ظاہری وضع قطع دیکھ کر یہ گمان کر لیا کہ ''لطفؔ کوئی عالم آدمی نہ تھے''۔

نہ کسی کی بزم خیال میں - لطفؔ کا شہرۂ آفاق شعر ؎

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

اس کے دوسرے مصرع میں مفتی نے ''نہ ہمارے بزم خیال میں'' کہا تھا اور یہ شعر اسی طرح مشہور بھی ہے مگر عم مکرم ہادی القادری صاحب کے مضمون سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس پر حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی نے مفتی لطفؔ کے سامنے ہی اصلاح فرمائی تھی جس کو خود مفتی نے قبول بھی کر لیا تھا۔ حضرت نے ''نہ ہماری بزمِ خیال میں'' کی جگہ ''نہ کسی کی بزمِ خیال میں'' کر دیا تھا لہٰذا ہم نے یہ شعر اصلاح شدہ حالت ہی میں درج کیا ہے۔

کچھ انتخاب کلام کے بارے میں - مفتی کا کلام زیادہ تر بدایوں کے نعت خوانوں کی بیاضوں میں تھا، ان بیاضوں سے کچھ کلام شیخ عارف پرویز بدایونی نے آج سے ۱۰-۱۲ر سال قبل جمع کیا تھا، اس پر حضرت تاجدار اہل سنت نے ایک طویل مقدمہ بھی تحریر فرما دیا تھا مگر کسی وجہ سے وہ مجموعہ

تلف ہوگیا اور اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔

معروف محقق و ناقد آل احمد سرور نے لکھا تھا کہ ''لطفؔ کے کلام کا ایک اچھا انتخاب ہوجائے تو یقیناً وہ آج بھی لطف سے پڑھا جائے گا''، عم مکرم حضرت ہادی القادری صاحب بھی لطفؔ کے کلام کو حاصل کر کے شائع کرنا چاہتے تھے مگر وہ ان کو دستیاب نہ ہوسکا، آخر کار ع

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

یہ سعادت مجھ ناکارہ کے حصے میں تھی، آج اگر حضرت ہادی القاری موجود ہوتے تو اس ''کارنامے'' پر یقیناً مجھے سینے سے لگا کر دعاؤں سے نوازتے۔

لطفؔ کا زیادہ تر کلام بدایوں کے مشہور خوش گلو نعت خواں مولوی نثار احمد قادری پڑھا کرتے تھے، ان کی نعت خوانی کی بیاضیں ان کے پوتے شاعر آستانہ جناب نفیس قادری بدایونی کے پاس ہیں۔ میری فرمائش پر نفیس صاحب نے اپنے دادا کی بیاضوں سے لطفؔ کا کلام نقل کر کے میرے حوالے کر دیا۔ زیر نظر مجموعہ اسی انتخاب پر مشتمل ہے۔ بدایوں کے ایک دوسرے مشہور نعت خواں مولوی محمد حسین قادری کی بیاضیں کتب خانہ قادری بدایوں میں محفوظ ہیں جن میں کثرت سے شعرائے آستانہ لطفؔ، شائقؔ، اسیرؔ، کیفؔ، نشترؔ، ضیاؔء القادری اور حضرت منظورؔ کا کلام موجود ہے، ۲؍نعتیں ۳؍مناقب اور ایک مرثیے کے چند اشعار ہم نے اسی بیاض سے لیے ہیں جن کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ چار نعتیں ماہنامہ شمس العلوم بدایوں سے لی گئی ہیں۔ کبھی ایک ہی غزل دو جگہ ملی اور دونوں میں اشعار کم زیادہ تھے، ہم نے زیادہ اشعار حوالے کے ساتھ درج کر دیے ہیں۔ لطفؔ کے متفرق بہار یہ اشعار جناب سید شہید حسین شہیدؔ بدایونی نے اپنی کتاب ''تذکرۂ شعرائے بدایوں'' میں نقل کیے ہیں وہ بھی زیر نظر مجموعہ میں شامل کر لیے گئے ہے۔

اغلاط کتابت۔ مولوی نثار احمد قادری صاحب کی بیاض چونکہ بہت قدیم ہے اور رسم الخط بھی پرانا ہے، اس لیے بعض مصرعے صحیح طرح پڑھے نہیں جا سکے اور بعض مصرعے موجودہ حالت میں بحر سے خارج معلوم ہوتے ہیں، ایسے مقامات پر جہاں وزن ساقط ہوتا محسوس ہوا میں نے اپنی طرف سے مصرعوں کی چول بٹھانے کی بجائے ان کو ایسے ہی چھوڑ دیا ہے، جہاں کوئی لفظ پڑھنے میں نہیں آیا وہاں نقطے لگا کر بیاض چھوڑ دیا گیا ہے۔

محترم ابرار علی صدیقی صاحب کا مضمون مجلّہ کے جس شمارے میں شائع ہوا تھا اس میں کتابت کی اغلاط بکثرت ہیں کہیں تو ذوق سلیم کی بنیاد پر تصحیح کردی گئی ہے اور جہاں لفظ سمجھ میں نہیں آیا وہاں جیسا تھا ویسا ہی لکھ دیا گیا ہے۔

کچھ اشارات۔شعرائے آستانہ کے منقبتی کلام میں کچھ اشارات ہوتے ہیں جو لطفؔ کے یہاں بھی ہیں، ان میں سے چند ایک کی وضاحت ضروری ہے۔

سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی کا لقب معین الحق اور تخلص مستؔ تھا، عموماً شعرائے آستانہ مست، مست ساقی، ساقیٔ مست، مست مئے الست اور مست صہبائے علی سے آپ ہی کی ذات مراد لیتے ہیں۔لطف نے کہا:

ساقیٔ مست کے میخانے میں آئے جو قدم   مئے توحید سے پُر ہر خُم و مینا دیکھا

قادری دل میں نظر آئے معینی جلوے   خاتم زر میں زمرد کا نگینہ دیکھا

حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی کا تخلص فقیؔر قادری تھا، لطف فرماتے ہیں:

فقیر قادری کے ہاتھ ہوگا قادری جھنڈا   غلام قادری زیر لوائے قادری ہوگا

حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری بدایونی کا تاریخی نام ’’غلام پیر‘‘ تھا، لطف نے اشارہ کیا ہے:

زاہدو تم کو مبارک ہو یہ سجدے کا نشاں   ہم ہیں اور داغ غلامی ہے غلام پیر کا

اسی طرح میکدہ، میخانہ اور بادہ خانہ سے عام طور پر درگاہ قادری مراد ہوتی ہے، جہاں شراب معرفت اور مئے توحید پلائی جاتی ہے۔

ترتیب و تصحیح میں یقیناً کچھ خامیاں رہ گئی ہوں گی ، اہل علم اگر ان کی نشان دہی فرمادیں تو آئندہ ان کی اصلاح کرلی جائے گی۔

رب قدیر و مقتدر تاج الفحول اکیڈمی کے کاروان نشر و اشاعت کو اسی طرح کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے، اور ہمیں خدمت دین کا مزید حوصلہ عطا فرمائے۔(آمین)

اسید الحق قادری

مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

۵؍رمضان ۱۴۳۱ھ/ ۱۶؍اگست ۲۰۱۰ء

لطفؔ بدایونی

پروفیسر آلِ احمد سرورؔ

لطفؔ کو میں نے بچپن میں دیکھا تھا جو مولوی عبدالمقتدر صاحب کے عرسوں کے زمانے میں عجیب وجد و کیف کی حالت میں ٹہلا کرتے تھے اور گنگناتے رہتے تھے۔ عرس کے موقع پر بدایوں کا ہر شاعر نعت یا منقبت میں کوئی قصیدہ یا غزل کہنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ لطفؔ کوئی عالم آدمی نہ تھے مگر سچے شاعر تھے۔ عشقیہ طرز میں بھی اشعار کہتے تھے جن میں داغؔ کا رنگ ہوتا تھا۔ پہلے لطفؔ کا ایک شعر نعت میں سنیے جو اقبالؔ کی مشہور زمین میں ہے اور انصاف سے کہیے کہ شاعر نے کمال کیا ہے یا نہیں

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں

اب ان کے دو شعر دوسرے رنگ میں دیکھیے ؎

غیر کا دل بھی جو ٹوٹا تو ہمارا ٹوٹا
ہم سے تکلیف کسی کی نہیں دیکھی جاتی

☆

اگر یہ بادہ نوشی ہو تو لطفِ میکشی آئے
پلائے اپنا ساقی، اپنی جھوٹی، اپنے ہاتھوں سے

لطفؔ کے کلام کا ایک اچھا انتخاب ہو جائے تو یقیناً وہ آج بھی لطف سے پڑھا جائے گا۔

(ہفت روزہ ہماری زبان لکھنؤ ستمبر ۱۹۶۶ء)

☆☆☆

استاذ الاساتذہ

مفتی اکرام احمد لطف بدایونی کی حیات اور شاعری
ایک جائزہ

بدایوں ایک قدیم شہر اور علمی مرکز کی حیثیت سے برصغیر میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ شرفائے بدایوں میں صدیقی حمیدی خاندان تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑا خاندان ہے۔ ذیلی طور پر اس خاندان کی تقسیم تین گھرانوں میں ہے۔ بڑے صاحبزادے افضل محمد، دوسرے صاحبزادے غلام محمد اور تیسرے صاحبزادے محمد ماہ کی اولادیں حمیدی گھرانے ہیں۔ ان تین حمیدی گھرانوں میں پہلی شاخ تعداد میں سب سے کم، دوسری شاخ پہلی سے زیادہ اور تیسری شاخ سب سے زیادہ ہے۔ یہاں جن کا تذکرہ مقصود ہے ان کا تعلق افضل محمدی گھرانے سے ہے۔ اس گھرانے کے لوگ اپنے علمی وقار کی وجہ سے مفتی کہلاتے ہیں۔

مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ کا نام مفتی اکرام احمد اور لطفؔ تخلص تھا۔ نسباً صدیقی مسلکاً حنفی اور ارادۃً قادری تھے۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے والد مفتی غلام جیلانی علیہ الرحمۃ کا شمار شہر کے عمائد میں تھا۔ ظاہری دولت کے ساتھ نعمتِ علم وفن اور باطنی سوز وگداز سے قلب معمور تھا۔

مفتی غلام جیلانی علیہ الرحمۃ کو فن تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ بلا تکلف گفتگو کے جملے بھی اعداد جمل کے اعتبار سے تاریخی ہوتے تھے۔ چچا علیہ الرحمۃ (مولانا مفتی کرم احمد میکشؔ آرقادری فرزند اوسط) نے سنایا کہ ایک مرتبہ لکھنؤ سے ایک صاحب فن آئے۔ ان کی تاریخ گوئی کا بڑا چرچا تھا۔ والد صاحب قبلہ اُن سے ملنے گئے اور گفتگو شروع کی، گفتگو اتنی رواں اور بے تکلف تھی کہ یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ان جملوں میں فن برتا جارہا ہے۔ وہ صاحب خالی الذہن تھے کہ مقابل صاحب فن ہے اس لئے والد صاحب کو جواب میں وہ خوبی نہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد یہ کھڑے ہوگئے اور فرمایا ''رخصت'' تو لکھنوی صاحب کو محسوس ہوا کہ مفتی صاحب غفلت میں چوٹ دے چلے

تھے۔(رخصت کے اعداد بحساب جمل بارہ سونوّے '۱۲۹۰' ہوتے ہیں) انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا پھر بیٹھ کر دیر تک دونوں فن کا مظاہرہ کرتے رہے''

ان کی کہی ہوئی متعدد تاریخیں ان کے مجیدی پیر بھائیوں کے مزاروں پر کندہ ہیں۔ وہ فن میں ندرتیں پیدا کیا کرتے تھے۔ مثلاً درگاہ قادری کے عرس ۱۳۰۰ھ کی تاریخ انھوں نے اپنے تینوں صاحبزادوں اور دو پوتوں کے ناموں سے اس طرح نکالی ہے کہ ان پانچوں کے آخری حروف کے اعداد کو پانچ سے ضرب دو ؂

فضلؔ وکرمؔ، اکرامؔ وحسینؔ وصدیقؔ　　　پانچوں کے ہیں پنج گونہ حرفِ آخر

۳۰+۴۰+۴۰+۵۰+۱۰۰=۲۶۰×۵=۱۳۰۰ فھو المقصود

مفتی اکرام احمد لطفؔ علیہ الرحمہ کو ذہانت اور فن سے لگاؤ وراثت میں تو ملا ہی تھا، سونے پر سہاگہ یہ کہ اس زمانے سے ہی کہ ''پجمیا'' (یہ لفظ انھیں کا ہے، پاجامے کی تصغیر) نہیں سنبھلتی تھی مدرسہ قادریہ پہنچادئے گئے جہاں اس وقت ''باوا'' (مولانا نور احمد قادری تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) اور حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی (میاں حضرت) مسند درس پر جلوہ افروز تھے۔ بحر العلوم علامہ محمد علی قادری کے پوتے اور مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی کے صاحب زادے حضرت مولانا حکیم سراج الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ (پھوپا صاحب) اور حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ فیض بار تھے۔ مفتی لطفؔ کو سب کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ جواں سال استاذ (صاحب الاقتدار مولانا عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ) کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے۔ اس وقت تک استاذ پر وہ استغراقی کیفیت مستولی نہیں ہوئی تھی جو بعد میں دیکھی گئی۔ استاذ نے شاگرد میں جوہر قابل محسوس کیا اور شعور ادبی کو نکھارنے پر ایسی توجہ فرمائی جس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔

مفتی لطفؔ نے بتایا کہ ''استاذ نے شعر کہنے کا حکم دیا، روز طرح دی جاتی، شعر کہنے کی ہدایت فرمائی جاتی، طرح میں مصرعہ کم دیا جاتا، اکثر قافیہ دیا جاتا، ردیف اور بحر کا انتخاب ہمیں خود کرنا پڑتا۔ ہم دن بھر فکر سخن کرتے، عشا کے بعد جب وہ زنانے مکان تشریف لے جاتے تو ہم دروازے تک ساتھ جاتے اور کاغذ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیتے۔ فجر کے بعد پھر ساتھ جاتے تو

دروازے میں تخت پر بیٹھ کر ہماری غزل ہمارے ہاتھ میں دی جاتی۔ جو اصلاحات سے پر ہوتی۔ ہم پڑھ چکتے تو پوچھا جاتا یہ ترمیم کیوں کی گئی، یہ لفظ کیوں بدلا گیا؟ اس تقدیم تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ ہم جوابات دیتے تو فرماتے سمجھ گئے۔ پھر غزل ہم سے مانگ کر کاغذ چاک کر دیا جاتا۔ آج کے لئے تازہ طرح مل جاتی اور ہم پھر دن بھر فکر سخن میں مبتلا رہتے۔

روزانہ طرح دینے، رات کو ہماری دن بھر کی کاوش ساتھ لے جانے، صبح ترمیمات دکھانے اور باریکیاں سمجھا کر غزل چاک کر دینے کا یہ سلسلہ پورے سال بھر جاری رہا۔ اب اصلاح اکثر نہ ہوتی، ایک آدھ لفظ کا الٹ پھیر ہوتا، وہ بھی کبھی کبھی، مگر غزل ہمیں واپس نہ ملتی اور چاک کر دی جاتی۔ اب ہمیں کوفت ہونے لگی کہ اگر ہماری غزلیں جمع ہوتیں تو ہم صاحب دیوان ہو چکے ہوتے۔ تین سو ساٹھ غزلیں تو ہوتیں ہی۔ دوغزلے سہ غزلے کا شمار نہیں۔ آخر ایک روز جب انھوں نے چاک کرنے کے لئے کاغذ مانگا تو ہم نے ہمت کر کے ہاتھ کھینچ لیا اور صاف کہہ دیا اب ہم غزل پھاڑنے نہیں دیں گے۔

سال بھر کی اس گھسائی کے بعد کہیں ہماری بیاض بن پائی۔ اس کے بعد پھر کوئی غزل چاک نہیں کی گئی۔ کئی مہینے گذر گئے۔ ہماری بیاض میں بہت سی غزلیں جمع ہو گئیں۔ آخر ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد جب مدرسہ قادریہ میں سب بیٹھے اور شعروشاعری کا دور شروع ہوا تو استاذ نے پہلی بار ہم سے فرمایا ''اکرام احمد آج تم کچھ سناؤ''۔ ہمارا سینہ مارے خوشی کے اتنا (اشارہ کرتے ہوئے) بڑا ہو گیا کہ آج نے اس قابل سمجھا کہ ان بزرگوں کے سامنے ہمیں شعر پڑھنے کا موقعہ دیا۔ ہم نے بیاض نکال کر جلدی جلدی ورق الٹنے شروع کئے تاکہ ایسی غزل کا انتخاب کریں جس سے ہمارا مرتبہ قائم ہو جائے اور ایک بانکی غزل شروع کی تو استاذ نے روک دیا۔ یہ نہیں وہ غزل سناؤ (جسے ہم نے ان سے چھین لیا تھا) اب جو ہم وہ غزل نکالتے ہیں تو اپنی نگاہ میں ہی نہیں جچتی۔ بڑی چہ کنم میں رہے کچھ سوجھا ہی نہیں۔ جھٹ سے وہ صفحہ پھاڑ پرزہ پرزہ کر دیا تو استاذ نے مسکرا کر فرمایا ''جب ہم پھاڑتے تھے تو ہاتھ کھینچ لیا تھا، اب خود پھاڑ پھینکی''۔

آئینہ سازی کی یہ داستان مفتی علیہ الرحمہ نے متعدد مرتبہ سنائی ہے۔ پھر بھی آج جب میں اسے لکھ رہا ہوں تو ممکن ہے اس میں لفظی تغیر ہو گیا ہو کیونکہ میرا شمار راویانِ حدیث میں نہیں ہے مگر

نفس واقعہ میں حقیقت سے سرِ موتجاوز نہیں ہوا ہے۔

شعر کے سلسلہ میں مفتی لطفؔ سے جو خصوصی مشق کروائی گئی اس کی وجہ ان کی صلاحیتوں کو ان کے استاذ کا محسوس کر لینا تھا، چنانچہ مفتی جی کو دیکھنے والے ابھی سیکڑوں موجود ہوں گے انھوں نے انھیں ''چوبیس گھنٹے شاعر'' ہی دیکھا ہوگا۔ اکثر کو تو یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ ژولیدہ موشاعر جید عالم بھی تھا۔ نہ صرف علوم ادبیہ پر اس کی نگاہ تھی، منطق فلسفہ، تفسیر حدیث اور فقہ کا کون سا مسئلہ ہے جو اسے معلوم نہ تھا۔ مگر مفتی جی نے جو صرف خاندانی اعتبار سے ہی نہیں اپنے علم کے اعتبار سے بھی مفتی کہلائے جا سکتے تھے۔ خود کو شاعر کے علاوہ کسی اور حیثیت سے روشناس نہیں کرایا۔

مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ کا شمار اردو کے مسلم الثبوت اساتذۂ فن میں کرنا چاہیے۔ وہ ہر صنف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ فن کے غوامض پر نگاہ تھی۔ اس لئے محاسن کو برتنے اور معائب سے اجتناب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان کے یہاں ہر قسم کا شعر ملتا ہے لیکن اسقام سے بہر حال پاک ہوتا ہے۔ ایک طویل غزل فرمائی، پہلا مطلع تھا۔

رات تو ہم یہ سمجھے تھے صبح نہیں اب ہونے کی　　　سونا کیسا فرقت میں فکریں تھے جی کھونے کی

کیسا کیفیت میں ڈوبا ہوا مطلع ہے مگر پھر ایک مطلع فرمایا۔

پھل ملتا ہے برائی کا کیجئے اس میں جو نیکی　　　کس نے رسم نکالی ہے تخمِ الفت بونے کی

اسے استاذی کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن اسے کیا کہوں کہ اسی پر بس نہیں کیا، ارشاد فرمایا۔

ہاتھ کا چھلا چاندی کا کان کی دُر یا سونے کی　　　ان کی یہ دونوں چیزیں ہیں ہوش ہمارے کھونے کی

تو عرض کر ہی گذرا ''استاذ اس مطلع کی کیا ضرورت تھی؟'' فرمایا ''حقیقت واقعہ ہے تو اس کے اظہار کو کیوں معیوب سمجھا جائے''۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا، مگر تان تو یہاں جا کر ٹوٹی۔

پھنس کر اپنے پھندے میں اُڑ گئی چڑیا سونے کی

بہر حال اس قسم کے اشعار بھی فنی اور لسانی اعتبار سے کسی طرح کم رتبہ نہیں کہے جا سکتے۔ مزاج چونکہ عاشقانہ صادقانہ تھا اس لئے بے اختیارانہ اس قسم کے اشعار کہہ جایا کرتے تھے۔ اپنی اس

فطری کمزوری کو خود تسلیم کرتے ہیں

بلا سے اپنی کوئی ہو مگر ہاں آئینہ رو ہو　　　جناب لطفؔ ہیں لطف صفائی دیکھنے والے

ایک غزل سنائی جس کی ابتدا یوں ہوئی تھی

کچھ کھا کے سو رہیں یہی آتا تھا جی میں رات

مگر پھر جو جذبات میں موڑ آیا ہے، بات کہاں سے کہاں پہنچی

باقی نہیں رہی کوئی امید جی میں رات　　　سوئے گلے لگا کے انھیں چاندنی میں رات

اور

وقت سخن وہ طرز تبسم نہ پوچھئے　　　تارے چمک رہے تھے کسی کی ہنسی میں رات

پھر تان یہاں جا کر ٹوٹی

اک سانسیے نے لوٹ لیا سانسنی میں رات

سانسنی علی گڑھ کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں مشاعرے میں استاذ نے شرکت کی تھی، سانسنی کی مشابہت سے اس وقت کا آئینہ رو غارت گر ہوش سانسیا بن گیا، جو ایک خانہ بدوش قبیلہ ہوتا تھا ممکن ہے اب بھی ہوتا ہو مگر مجھ میں دشت نوردی کی ہمت کہاں ہے۔

لطفؔ کی شاعری میں خاص لطف اس وجہ سے اور بھی پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اردو شاعری کے دونوں مدرسوں دہلی اور لکھنؤ سے مساویانہ استفادہ کرتے ہیں۔ جہاں تک زبان اور محاورے کا تعلق ہے ان کے یہاں دہلویت جلوہ گر نظر آتی ہے اور جہاں فنی نزاکتوں کی طرف توجہ کی ہے وہ لکھنوی بن گئے ہیں۔ اوپر جو اشعار گذرے ہیں ان سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔ دیوان سامنے نہیں ورنہ سیکڑوں مثالوں سے وضاحت کی جا سکتی تھی۔

مفتی لطفؔ کو نام و نمود سے کسی قسم کا واسطہ نہ تھا۔ مشاعروں میں بھی بہت کم شرکت کرتے تھے مگر اس زمانے کے نامور اساتذہ انھیں خاص رتبہ دیتے تھے چنانچہ میں نے خود دو بزرگ ہستیوں کو ان سے ملتے دیکھا ہے اور محسوس کیا ہے کہ بڑے ہی بڑائی کو سمجھ سکتے ہیں۔ وہ دونوں حضرت سید علی احسن احسنؔ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید حسین احمد بیباکؔ شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اس گوشہ نشینی کے باوجود مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ کی ایک غزل تو ہندوستان میں ایسی مشہور ہوئی کہ گلی گلی گائی جاتی تھی۔ اب تو غالباً کوئی یہ جانتا بھی نہ ہو کہ وہ حضرت مفتی لطفؔ ہی تھے جنھوں نے کہا تھا

تو وہ مہ خوبی ہے اے جلوۂ جانانہ ۔۔۔۔ ہر گل ہے ترا بلبل ہر شمع ہے پروانہ
مستی میں بھی سر اپنا ساقی کے قدم پر ہو ۔۔۔۔ اتنا تو کرم کرنا اے لغزشِ مستانہ
یارب انھیں ہاتھوں سے پیتے رہیں متوالے ۔۔۔۔ یا رب یہی ساقی ہو یا رب یہی میخانہ

مفتی علیہ الرحمہ کو مشکل زمینوں میں طبیعت کے جوہر دکھانے کا خاص ملکہ تھا۔ جہاں ایک آدھ شعر کہنا بھی دشوار نظر آئے وہاں وہ سیر حاصل غزل فرماتے تھے اور کمال یہ تھا کہ یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ زبردستی قافیہ پیمائی کی گئی ہے۔ اس وقت چند شعر یاد آرہے ہیں، فرماتے ہیں

میری قسمت ہو اگر ساغر میں ساغر ہاتھ میں ۔۔۔۔ عمر بھر ساقی رہے چکر میں چکر ہاتھ میں

یہ چکر میں چکر آدمی کو گھن چکر بنا ڈالے مگر استاذ نہایت حسن وخوبی سے اس سے عہدہ برا ہوئے ہیں

ہاتھ سے صیاد کے اب بچ کے جانا ہے محال ۔۔۔۔ قوت پرواز ہے شہپر میں شہپر ہاتھ میں

ان کی بلند پروازیاں جاری رہتی ہیں، نعت کی طرف مڑ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں

اللہ اللہ شان اعجاز پیمبر دیکھئے ۔۔۔۔ طاقتِ گفتار ہو پتھر میں پتھر ہاتھ میں

اساتذہ کی زمینوں میں طبع آزمائی بڑی دشوار ہوتی ہے، خصوصاً جبکہ کہنے والے نے حق ادا کیا ہو مگر مفتی علیہ الرحمۃ کی طبیعت ایسے میں بند نہیں ہوتی تھی بلکہ اکثر اس کا التزام کرتے تھے کہ انھیں قوافی میں مطلع ہو جن میں پیشرو کہہ گیا ہے۔ غالبؔ کی مشہور غزل ہے، دم نکلے، کم نکلے۔ غالبؔ کے قوافی میں یہ مطلع جان غزل ہے

دم آخر یہ حسرت تو الٰہی کم سے کم نکلے ۔۔۔۔ وہ انداز تبسم دیکھ کر آنکھوں سے دم نکلے

اب اسے غالبؔ کے مطلع سے ملا کر پڑھئے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ۔۔۔۔ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

وہ نا آسودگی اور حسرت تمام جو ''یہ حسرت تو الٰہی کم سے کم نکلے'' میں ہے غالبؔ کے یہاں

کہاں ہے؟

ناسخؔ کا ایک مطلع ہے اور حیرت ہے کہ ناسخ کا ہی مطلع ہے

ہستی کی طرف منہ نہ کرے کوئی عدم سے — دو چار حزیں اور پہنچ جائیں جو ہم سے

اپنے رنگ سے ہٹ کر بڑی نازک بات کہی ہے، اس کا جواب نہیں ہوسکتا، یہ اور بات ہے کہ آلام ہستی سے نبرد آزما یا پسپا ہوکر جانے والے جس عدم کی طرف جاتے ہیں وہ اس عدم سے علیحدہ ہے جس سے نکل کر آنے والے ہستی کی طرف آتے ہیں۔ پھر بھی اشتراک لفظی نے بات پیدا کردی ہے جس کی داد نہ دینا کفریات ادبی یا کم سے کم بے ادبی میں ضرور شمار ہوگا۔

آکا (مولانا عبدالماجد قادری بدایونی منظورؔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ہم سب انھیں ''آکا'' ہی کہتے تھے۔ یہ ترکی لفظ ہے، بڑے بھائی کے معنیٰ میں) کے انتقال پر ایک عالم متاثر اور سوگوار تھا۔ مفتی لطفؔ کے لئے یہ دہرا صدمہ تھا، کیونکہ وہ حکیم شہید (مولانا حکیم عبدالقیوم قادری جوشؔ علیہ الرحمۃ، آکا کے والد) کے دوستوں میں تھے۔ شہید مرحوم کے بعد انھوں نے ماجد میاں میں تسلی پا لی تھی کہ وہ بھی اچانک بچھڑ گئے۔ جلسۂ تعزیت ہوا، مقررین اور شعراء نے خراج عقیدت پیش کیا۔ مفتی جی نے ناسخؔ کی زمین میں درد والم کا اظہار کیا۔ انھیں قوافی میں یہ مطلع درد واثر کی کیسی نرالی شان رکھتا ہے۔

افسوس تو اس کا ہے یہ پہلے گئے ہم سے — جانے کو تو جاتا ہے جو آیا ہے عدم سے

اور آخر میں فرمایا

تھا لطفؔ سخن حضرتِ منظورؔ کے دم سے

لطفؔ سخن اور حضرت منظورؔ کے ساتھ ایک واقعہ یاد آ گیا۔ عرس قادری کا سارا اہتمام آکا کے ہاتھ میں تھا۔ علاوہ اور مشاغل کے ایک شب مشاعرے کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ مشاعرہ طرحی ہوتا تھا، مقامی شعرا کے علاوہ باہر سے بھی بڑے بڑے شعرا اس میں شرکت کرتے تھے۔ ایک سال آکا نے بہت ہی مشکل طرح دے دی، غالباً ظہر کے بعد مفتی لطفؔ علیہ الرحمہ سے کہا ''مفتی جی! ایسی طرح دے دی ہے کہ ڈھنگ کے سات (صحیح یاد نہیں سات یا نو) شعر نکالنا بھی مشکل ہو جائے گا''۔ انھوں نے کہا ''ماجد ایسی باتیں نہیں کرتے، شعر کہنے والے کے لئے کوئی طرح مشکل نہیں

ہوتی''۔ آ کا نے کہا'' سب باتیں ہیں، آپ بھی نو (یاد نہیں نو یا گیارہ) شعر سے زیادہ نہیں نکال سکیں گے''۔ انھوں نے کہا'' شرط رہی''، آ کا نے کہا'' رہی، جتنے شعر زیادہ ہوں گے ان کے حساب سے (صحیح یاد نہیں، نقد روپیہ یا سیر بھر مٹھائی) ادا کروں گا''۔

مفتی لطفؔ پنسل کاغذ لے کر شاعری کے اڈے پر پہنچ گئے (دوران عرس قادری اکثر درگاہ قادری کے پیچھے چبوترے پر بیٹھ کر فکر سخن کیا کرتے تھے) عصر کے قریب مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ آ کا نے دور سے دیکھ کر ہی محسوس کرلیا کہ شرط ہار دی۔ منا بھائی (استاذ کے عزیز شاگرد) آ کا کے پاس تھے۔ آ کا نے کہا، منا! مفتی جی کی غزل چراؤ، منا بھائی نے کہا یہ کیا بڑی بات ہے، پنسل کاغذ نیفے میں اڑسا ہوگا، ابھی لایا۔ لپکے اور ان کے درگاہ کے بڑے دروازے سے نکلنے سے پہلے ہی شاگرد استاذ کے پاس تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں بنائیں اور آہستہ سے پائینچہ ذرا کھینچ دیا۔ غزل نیچے آ رہی، استاذ آگے بڑھے اور غزل شاگرد کی جیب میں پہنچی، منا بھائی نے اشارہ کر دیا کہ کام ہوگیا۔

مفتی لطفؔ دفتر عرس قادری کے شامیانے میں پہنچے، جہاں آ کا کی نشست رہتی تھی۔ آ کا نے کہا'' کیوں مفتی جی غزل کہلائے، کتنے شعر ہوئے؟'' انھوں نے بتایا (سترہ یا پچیس صحیح یاد نہیں)۔ آ کا نے کہا'' آؤ مشاعرے سے پہلے ہی ہم ایک دوسرے کو سنالیں اور تصفیہ ہو جائے''۔ اب جو مفتی جی نیفا ٹٹولتے ہیں تو کاغذ پنسل غائب، بہت سٹپٹائے۔ آ کا نے چوٹ کی'' غزل ہوئی بھی تھی یا ویسے ہی دھاک ڈال رہے تھے''۔ مفتی جی کو غصہ آ گیا فرمایا'' کیا ہوا؟ اتنے ہی شعر اور کہہ لوں گا'' اور پھر عصر سے مغرب تک اپنے مہبط شعر پر فکر سخن میں غرق رہے۔ مغرب کے بعد آ کا نے پھر کہا'' مفتی جی آؤ آپس میں غزلیں سنا لیں''، مگر یہ راضی نہ ہوئے فرمایا'' اب تو مشاعرے میں ہی تصفیہ ہوگا''۔

مشاعرے میں آ کا نے غزل شروع کی تو وہی غزل تھی جو شاگرد نے چرا کر اِدھر پہنچا دی تھی، مفتی جی تلملا رہے تھے کہ بھتیجا چوری کی غزل پڑھ رہا ہے مگر آ کا نے مقطع لطفؔ کا ہی پڑھا اور پھر اپنی مختصر غزل پڑھی اور جب شمع مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ کے سامنے آئی ہے تو محسوس ہوا کہ وہ اشعار جو سنائے جا چکے وہ تو نقش اولیں تھے، مشاعرے کے بعد آ کا نے شرط کے مطابق دونوں غزلوں

کے مجموعی اشعار کے حساب سے جرمانہ ادا کیا اور لطف یہ ہے کہ وہ جرمانہ یا انعام اسی شاگرد رشید نے وصول کیا جس نے استاذ کی غزل چرائی تھی۔

ان کی قادرالکلامی کے ثبوت میں یہ ایک واقعہ ہی کافی ہے۔ اسی سلسلہ کا ایک اور واقعہ میں استاذ کی نعت گوئی کے ضمن میں بیان کروں گا جس سے قادرالکلامی کے ساتھ ساتھ بدیہہ گوئی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

یوں تو مفتی لطفؔ بہار یہ شعر میں بھی بلند مقام رکھتے تھے مگر نعت ومنقبت تو جیسے ان کا حصہ ہے۔ جذبات کی فراوانی، آداب واحترام کا پاس اور صحت روایات ہر اعتبار سے ان کا یہ کلام بے مثال ہے۔

فرماتے تھے ''حقیقی عاشقانہ شاعری تو نعت ومنقبت میں ہی کی جا سکتی ہے''۔ وہ ربط دروں جو ایک دستہ گرفتہ کو اپنے شیخ سے، ایک مسلمان کو اللہ کے محبوب رسول ﷺ سے ہونا چاہیے اس کا عشر عشیر بھی بڑے سے بڑے مجنوں لیلیٰ اور فرہاد وشیریں میں نہیں ہوسکتا لیکن نعتیہ شاعری جتنی حقیقی عاشقانہ ہے اتنی ہی دشوار بھی ہے کیونکہ یہاں قدم قدم پر گرفت ہے، پاس آداب جذبات اور اظہار دونوں کا دامن کشاں رہتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک روز مدرسہ قادریہ میں حضرت اقدس (حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر قادری بدایونی) کو مفتی جی نے ایک نعت سنائی۔ مطلع سن کر حضرت اقدس نے فرمایا ''مفتی جی یہ آپ ہی کہہ سکتے تھے (مفتی پر خاص زور ہے)

اللہ رے شانِ حسن خدا سازِ مصطفیٰ　　　وہ ذاتِ بے نیاز ہو اور نازِ مصطفیٰ

اس ''خداساز'' نے حضورِ بے نیاز، ناز کا کیسا موقعہ پیدا کر دیا ہے، سبحان اللہ۔

اسی نعت کا ایک اور مطلع ہے

انساں کا دل تو کیا دمِ اعجازِ مصطفیٰ　　　پتھر میں گھر کرے قدمِ نازِ مصطفیٰ

غالبؔ کی زمین میں اوپر ایک مطلع کا تذکرہ کر چکا ہوں، اب اسے پھر پڑھیے اور یہ سمجھ کر پڑھیے کہ یہ نعت میں ہے تو اس کا اور ہی لطف محسوس ہوگا

دمِ آخر یہ حسرت تو الٰہی کم سے کم نکلے　　　وہ اندازِ تبسم دیکھ کر آنکھوں سے دم نکلے

حسنِ خاتمہ کی اس سے بہتر کیا صورت ہوسکتی ہے کہ جمال رحمت عالم بے حجاب سامنے ہو۔

دوسرا مطلع دیکھئے دو لفظوں کے الٹ پھیر سے کیا بات پیدا کی ہے

غمِ الفت ہے دم کے ساتھ دم نکلے تو غم نکلے　　محبت کا مزا یہ ہے نہ غم نکلے نہ دم نکلے

زندگی ہو کہ موت دونوں ان کے ساتھ وابستگی سے ہی لذت آگیں بنتی ہیں۔ کیا خوب کہا ہے

یہ لطفِ زندگانی ہے کہ ہو نظارہ اس رُخ کا　　مزا مرنے کا جب آئے کہ ان قدموں پہ دم نکلے

بغیر اقرار رسالت ہدایت ممکن نہیں، اسی کو عشق و محبت کی زبان میں کس خوبی سے بیان کیا ہے ؂

ہمارا کام تھا راہ محبت میں قدم رکھنا　　تمہیں نے دستگیری کی تو اب کچھ پاؤں جم نکلے

ربط باہمی دیکھئے کیا بات ہے

اسے کہتے ہیں باہم دل سے دل کو راہ ہوتی ہے　　اُدھر محشر میں وہ آئے، ادھر مرقد سے ہم نکلے

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ کی کیسی واقعاتی تفسیر ہے

یہ شانِ خلق ہے وہ بسملِ تیغِ محبت ہو　　جو گھر سے بہر قتلِ شاہ دیں کھا کر قسم نکلے

اسی طرح مناقب میں والہانہ شیفتگی اور عقیدت ہر ہر حرف سے مترشح ہوتی ہے

شریکِ غم ہمارا کون وقتِ بیکسی ہوگا　　مگر ہاں ایک پیر اپنا فقیر قادری ہوگا

محبت میں کسی دن جان جائے گی یہی ہوگا　　نہ غم ہوگا نہ دم ہوگا نہ ہم ہوں گے نہ جی ہوگا

فقیرِ قادری کے ہاتھ ہوگا قادری جھنڈا　　غلامِ قادری زیرِ لوائے قادری ہوگا

جس کے کرم سے لطف کے سب کام بن گئے　　وہ کون تھا وہ مقتدر کارساز تھا

ہماری بات جب پوچھی غلام پیر نے پوچھی　　ہمارے کام جب آئے فقیر قادری آئے

☆

بہار آئی چلے پیمانہ ساقی　　رہے قائم ترا میخانہ ساقی

ادھر بھی بارش ابر کرم ہو　　گھٹا آئی سوئے میخانہ ساقی

یہ چند شعر جو یاد آتے چلے گئے لکھے گئے، ورنہ نعت و منقبت کا حصہ تو ان کے کلام میں سب سے زیادہ ہے جس کا قول یہ ہو کہ ''حقیقی عاشقانہ شاعری تو نعت و منقبت میں ہی ہوسکتی ہے'' اس کا تو بہاریہ کلام بھی نعت میں ہی شمار ہوسکتا ہے۔ ایسے اشعار کو چھوڑ کر جس میں کچھ ایسے الفاظ آ گئے

ہوں جنھیں وہ آداب نعت کے منافی سمجھتے تھے، سب کو نعت و منقبت کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر کر لی جائے تب بھی کئی ضخیم جلدیں مولوی نثار احمد قادری صاحب نعت خواں کے پاس صرف لطفؔ کے کلام کی ہیں جن کی وہ کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔

عرس قادری تو بطور خاص موسم شعر و نغمہ ہوتا تھا۔ ہر موقعہ پر تازہ بتازہ تصنیف ہوتی۔ معاصرین سے مسابقت رہتی، ہر ایک عرض ہنر کرتا۔ اس سلسلہ میں مولوی نثار احمد قادری صاحب نعت خواں نے بیان کیا کہ ''چادروں کا جلوس آ رہا تھا، مدرسہ قادریہ کے سامنے جماؤ ہوا۔ سب نعت خوانوں نے باری باری پڑھا، مولوی محمد حسین قادری صاحب نعت خواں بازی لے گئے۔ انھوں نے اقبالؔ کی غزل ''حجاز میں، نماز میں'' کی زمین میں مولانا ضیاء القادری کی غزل منقبت پڑھی۔ سماں بندھ گیا، میرے پاس اس کا جواب نہیں تھا، اس لئے مجمع سے نکل کر ایک طرف کو چل دیا۔

مفتی جی نے دیکھا تو لپکتے آئے، فرمایا ''کہاں جاتا ہے؟ اب تیری باری ہے''۔ میں نے'' کہا میں نہیں پڑھوں گا، میرے پاس اس غزل کا جواب نہیں ہے''، وہ سمجھانے لگے'' کیا ہوا، تیرے پاس اس سے بھی اچھی غزلیں ہیں''، بتاتے رہے'' وہ غزل پڑھ، اچھا وہ غزل پڑھ'' مگر میں نے ایک نہ مانی اور آگے ہی بڑھتا گیا۔ مفتی جی پیچھے پیچھے سمجھاتے چلے آئے۔ جلوس پیچھے رہ گیا، ہم درگاہ قادری کے قریب قاضی حوض پر پہنچے تو مفتی جی کو میری ہٹ پر جلال آ گیا، فرمایا'' نکال پنسل کاغذ''، میں تو یہی چاہ رہا تھا، پنسل کاغذ لے کر قاضی حوض کی منڈیر پر بیٹھ گئے اور شعر کہنا شروع کیا، ابھی دو چار شعر ہی ہوئے تھے کہ جلوس آ پہنچا، وہ شعر مجھے دیئے اور فرمایا'' تو پڑھنا شروع کر میں اور شعر دیتا ہوں''۔

جلوس چادر درگاہ قادری کے دروازے پر پہنچا، میں نے پڑھنا شروع کیا، میں دو شعر پڑھنے نہ پاتا کہ مفتی جی اور شعر دیدیتے۔ اس طرح وہ غزل کہتے گئے میں پڑھتا گیا، ایک سماں بندھ گیا۔ ساری اگلی پچھلی کسر نکل گئی اور جب میں نے یہ شعر پڑھا ہے

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ ‏ ‏ ‏ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

تب تو سارے مجمع پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ احسن میاں صاحب (حضرت احسنؔ مارہروی) دروازے کی دہلیز سے اترے، میرا منھ چوما اور اپنی شال اُڑھا دی''۔

یہ واقعہ بھی ان کی قادرالکلامی اور بدیہہ گوئی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

مفتی لطف علیہ الرحمۃ کی یہ خصوصیت بھی ان کی عظمت پر دلالت کرتی ہے کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرتے اور اپنی اصلاح فوراً کر لیتے۔ اسی غزل میں جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ انھوں نے ایک جگہ حضرت اقدس (حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر قادری بدایونی) کا لفظ قبول کر لیا اور دوسری جگہ خود ہی تصحیح کر لی۔ حضرت اقدس نے پوچھا، مفتی جی

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ — نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

''ہماری بزم خیال'' کی بجائے ''کسی کی بزم خیال'' کیسا رہے گا، وہ کھل اُٹھے اور فرمایا ''بیشک کسی کی بزم خیال زیادہ بہتر ہے''۔ پھر حضرت اقدس نے پوچھا مفتی جی وہ کیا شعر ہے ''مہر قبولیت''۔ مفتی جی نے فرمایا ''کون کہتا ہے؟ مہر حق قبول ہے''، مفتی علیہ الرحمہ نے جلدی میں ''مہر قبولیت'' لکھ دیا تھا۔ حضرت کے پوچھنے پر فوراً غلطی سمجھ میں آ گئی، سہو ہو گیا تھا۔ ''قبول'' خود مصدر ہے، ت مصدری بیکار ہے، اسی لئے کہ ابھی اعتراض واضح بھی نہیں ہوا تھا، انھوں نے فرمادیا ''کون کہتا ہے؟ مہر قبول حق ہے''

تری ذات کا تو ہے ذکر کیا ترے ذکر کا ہے یہ مرتبہ — کہ بجائے مہر قبول حق ہے درود تجھ پہ نماز میں

ایک واقعہ برادر محترم مولوی سید حسن حیرتؔ قادری صاحب نے سنایا کہ ''بدایوں میں ایک مشاعرہ تھا، ہم بھی گئے ہوئے تھے، شریک ہوئے۔ ایک بزرگ شاعر نے عربی سے ناواقفیت کی بنا پر ایک قافیہ غلط باندھا، ہماری ''رگِ علامیت'' پھڑکی اور ہم نے داد دی سبحان اللہ کیا قافیہ باندھا ہے مکرر ارشاد، وہ بزرگ شاعر ''مکرر ارشاد کرنے والے تھے'' کہ مفتی جی نے بھڑ بھڑا کر کہا'' آگے پڑھو، دوسرا شعر پڑھو'' اور انھیں بچا لیا۔ مشاعرے کے بعد جب ان بزرگ نے مفتی جی سے پوچھا کہ ''وہ صاحب داد دے رہے تھے، تم نے شعر مکرر پڑھنے نہیں دیا، کیوں؟''، مفتی جی نے کہا ''وہ مدرسہ قادریہ کا طالب علم ہے، تمہیں پھانس رہا تھا، لفظ غلط ہے''۔ پھر ہم سے ملے تو فرمایا ''بری بات ہے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں''۔

مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ نے بے شمار کہا ہے لیکن طبیعت بے حد لاابالی قسم کی تھی، اس لئے سب کلام یقیناً محفوظ نہ ہوگا۔ نعت و مناقب کا زیادہ تر کلام مولوی نثار احمد قادری صاحب نعت

خواں درگاہ قادری کے پاس محفوظ ہے، جس میں ہر موقع کے لیے کلام موجود ہے۔ آج بھی اس کی تازگی میں کوئی فرق نہیں۔ دو سال پہلے کی بات ہے، میں نے عرس قادری میں تازہ رخصتی پیش کی۔ اس کے بھی موجد بھیا وآلی (مولوی ولی الدین چشتی قادری خلیفہ زادہ حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہا) اور مفتی لطفؔ ہی ہیں، جب رخصت کے بعد تبرکات کا جلوس مکان کے دروازے پر پہنچا تو مولوی نثار احمد صاحب نے رخصتی شروع کی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میں ابھی درگاہ قادری میں رخصتی پڑھ کر آرہا ہوں، یہ انھیں کہاں ملی، ذرا غور سے سنی تو محسوس ہوا کہ اسی زمین میں یہ دوسری رخصتی ہے۔ میں نے بیاض میں جھانکنا چاہا تو انھوں نے چھپالیا، مگر مقطع میں تو بہر حال لطفؔ موجود تھا۔

مولانا مفتی حسین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (برادر بزرگ حضرت مولانا فضل احمد قادری علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزادے جو مفتی لطفؔ کے تھے تو بھتیجے گو بڑے بھائی کے جانشین ہونے کی بنا پر مفتی جی اور چچا بھی انھیں بڑے بھائی ہی کہتے تھے) نے دو دیوان (ایک بہاریہ اور ایک نعت و منقبت کا) مرتب کر دیئے تھے، جن پر قبضہ کرنے کی میں سوچتا ہی رہا اور بیگم مزمل حسین (مفتی حسین احمد مرحوم کی صاحبزادی) لے اُڑیں۔ میری چھوٹی مفتیہ (مفتی مذکور کی پوتی) نے وعدہ کیا ہے کہ وہ دیوان حفاظت سے رکھے گی اور نقل مجھے دے گی۔

مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ نے مشق سخن میں جو پاپڑ بیلے تھے، اپنے شاگردوں سے وہ اس کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے آسان ہدایات دیتے تھے کلام کی اصلاح سے زیادہ فکر کی اصلاح کا خیال رکھتے تھے۔ مثلاً شاگردی کی شرائط کے طور پر مجھے یہ ہدایتیں دیں کہ مصرع کاغذ پر نہیں لکھو گے دماغ میں شعر مکمل کرو گے۔ شعر مکمل ہو جانے پر سوچو گے کہ تمہارا کوئی ساتھی جو علم اور عمر میں تم جیسا ہے اس بات کو اسی طور پر کہہ سکتا ہے یا نہیں، اگر محسوس کرو فلاں بھی کہہ سکتا ہے تو اس شعر کو اس وقت تک اپنا نہ سمجھو گے جب تک مضمون یا طرز ادا میں ایسی ترمیم نہ کر لو کہ وہ شعر تمہارا بن جائے۔

چچا (مولوی مفتی کرم احمد قادری میخوآر علیہ الرحمۃ) نے سنایا کہ مدرسہ قادریہ کی مسجد میں امامت پھوپا صاحب (مولانا حکیم سراج الحق قادری ابن مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی) یا

میاں حضرت (حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری) کیا کرتے تھے۔ جب یہ منصب مولانا صاحب (حضرت مولانا عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری) کو ملا اور ان کی اقتدا میں سابق کے اماموں نے نماز ادا کی تو میاں حضرت (حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری) نے فرمایا ''مولانا امام الائمہ ہوگئے''۔ یہ روایت کان میں پڑی ہوئی تھی جب مفتی لطفؔ کے شاگردوں کے بھی شاگرد پیدا ہوگئے تو دل سے آواز آئی ''میرا استاذ استاذ الاساتذہ ہے''۔ جب سے ہی ہم مفتی لطفؔ علیہ الرحمۃ کو استاذ الاساتذہ کہنے لگے۔ اس میں ان کے ساتھ عقیدت کے علاوہ ممکن ہے جذبۂ خودستائی بھی کارفرما رہا ہو۔ بہرحال ہم میں جو استاذ بھی ہیں وہ استاذ الاساتذہ کی شاگردی کے طفیل میں ہی ہیں۔

☆☆☆

لطفؔ بدایونی

ابرار علی صدیقی بدایونی

اب نئے دور اور نئی شاعری کا سورج اپنی کرنوں کو بکھیرنے والا تھا، بدایوں کی نہایت قدیم تاریخی اور مردم خیز بستی میں قدیم رنگ و وضع کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جس کو چراغِ صبح بھی کہہ لیجیے اپنے دل سوز جاں گداز اور نظر فریب انداز میں ختم شب کا افسانہ اور آمد سحر کا مژدہ سنا رہا تھا، ہم اس آخری چراغ سحری کی باتیں کچھ اس صورت سے کرنا چاہتے ہیں کہ گویا وہ ابھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ فی الوقت اس گفتگو کا مقصد تفصیل سے اس کے کلام و شعر و شاعری پر روشنی ڈالنا نہیں بلکہ صرف یہ غرض ہے کہ ایک ایسی ہستی کے شخصیاتی خدوخال اور حال احوال کی تصویر بنادی جائے جو اپنی انفرادیت کے اعتبار سے منفرد اور کمال کے معیار پر کامل تھی تا کہ آج از سرِ نو اس چراغ سحری کے بھڑکنے کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے اور یہ بات ذہنوں میں اُجاگر ہونے لگے کہ جب صبح کا چراغ ایسا تھا تو گوہرِ شب چراغ کیا ہوگا؟

آیئے اب استعاروں اور کنایات سے گزر کر اس تاریخی شخصیت اور یادگارِ زمانہ کی سیرت و صورت کا ایک مرقع تیار کریں جو اکرام احمد مفتی کے نام سے موسوم اور مفتی جی یا مفتی لطفؔ کے عرف سے روشناسِ خلق تھا۔

مفتی اکرام احمد لطفؔ کے والد ماجد حافظ غلام جیلانی ابن ظفر علی بن مفتی محمد اسمٰعیل بدایوں کے مشہور خاندان بنوحمید صدیقی کے ایک فرد تھے۔

حافظ غلام جیلانی کے تین فرزند ہوئے۔ فرزندِ اکبر مولوی فضل احمد، منجھلے مفتی کرم احمد میخوآرؔ (متوفی ۱۹۵۲ء) جو راقم کے خالو تھے، تیسرے مفتی اکرام احمد لطفؔ جو اپنے منجھلے بھائی سے تین سال چھوٹے تھے۔ مفتی کرم احمد صاحب میخوآرؔ کی تاریخ پیدائش ۲/ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء ہے اس حساب سے جناب لطفؔ ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ بدایوں ہی

مولد تھا اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ انتقال سے سال بھر پیشتر گردن میں بڑا سخت کاربنگل نکلا تھا جس کی نا قابلِ دید تکلیف کافی عرصہ تک اُف کیے بغیر جھیلی، علاج معالجہ کچھ نہیں کیا۔ بدایوں میں ۱۹/شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱/اگست ۱۹۴۳ء سنیچر کے روز صبح کے چار بجے انتقال کیا۔ شمسی حساب سے ۶۸ سال اور قمری حساب سے ۷۰ سال کی عمر پائی۔

درگاہ قادری مجیدی (بدایوں) میں دفن ہوئے۔ وفات کا سنہ ہجری ''مخدومی مفتی جی لطفؔ'' (۱۲۶۱ھ) اور سنہ عیسوی ''البدایونی شاعر مرحوم مفتی اکرام احمد لطفؔ'' (۱۹۴۳ء) سے برآمد ہوتا ہے۔

قطعات تواریخ وفات از ناچیز راقم الحروف حسب ذیل ہیں:

قطعه

بزمِ شعر و سخن میں تھا — جس کے دم سے از حد لطف
شاعر تھا وہ جلیل القدر — مفتی اکرام احمد لطفؔ

دیگر

ہو گئی بزمِ سخن آج اداس — بچھ گئی ایک صفِ ماتم لطف
بے بدل شاعرِ خوش گو اٹھا — کس طرح اٹھے یہ بارِ غم لطفؔ

تربیت و تعلیم کے ابتدائی مراحل اپنے گھر پر طے کئے، اس کے بعد آخر تک مدرسہ قادریہ میں تحصیل علم کی اور اس زمانے کے مروجہ علوم میں کافی عمدہ دستگاہ بہم پہنچائی۔

فراغِ علم کے بعد مفتی جی کی شادی شہری برادری میں دختر محمد اصلح سے ہوگئی جن کا مذہب امامیہ تھا۔ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء سے قبل ایک لڑکے کی ولادت کے سلسلے میں بیوی کا انتقال ہو گیا مفتی جی کو اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی اس لیے ان کی مفارقت کا بے حد صدمہ ہوا چنانچہ تازیست دوسری شادی نہیں کی اور لاولد ہی فوت ہو گئے۔

مفتی جی شاید خود ہی ''موج حوادث'' اور تنگ دستی کا شکار رہنا چاہتے تھے کیوں کہ انہوں نے کبھی اسباب معاش کی فکر نہ کی۔ اس زمانے کے عام دستور کے مطابق اپنی آبائی جائیداد،

زمینداری اور چند دوکانوں کے کرایہ سے بسر اوقات کرتے تھے۔ روز کا روز کرایہ خود ہی وصول کرتے اور کبھی کبھی اسی وجہ سے کرایہ داروں سے ایک طرح کی تکرار ہو جایا کرتی تھی۔ زمینداری سے براہ راست سروکار نہ رکھا۔ سب کچھ کرتا دھرتا اُن کے منجھلے بھائی مفتی کرم احمد میخوآر تھے جو آخر وقت تک ان کی خبر گیری کرتے رہے۔

مفتی لطفؔ کے آغازِ شاعری کی بابت صرف اتنا معلوم ہے کہ بچپن سے شاعری کا چسکا تھا اور اوائل عمر ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اصلاح سخن کے سلسلے میں فانؔی بدایونی کی طرح ''تلامیذ الرحمٰن'' کے خانہ میں ہی نام لکھنا چاہیے لیکن قبلہ جامؔی صاحب بدایونی سے سنا ہے کہ مرحوم نے دو ایک بار مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی المتخلص بہ قادری، المتوفی ۲۵ محرم ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء کی خدمت میں اپنا کلام بہ نظر اصلاح پیش کیا تھا جو مفتی جی کے پیرزادے تھے، عالمانہ اور درویشانہ حیثیت کے علاوہ شعر و سخن سے بھی خصوصی دلچسپی تھی اور خوب طبیعت پائی تھی، زیادہ تر نعت و منقبت ہی لکھتے مگر کبھی کبھی عاشقانہ و متصوفانہ رنگ کا شعر بھی کہتے تھے، مولانا کے دو شعر ملاحظہ کیجیے:

مست شرابِ عشق چو پیر مغانِ ماست
فردا مئے طہور بہ جنت از آنِ ماست

☆

تماشا رازِ خلوت کا بھری محفل میں کیا ہوگا
ہزاروں جس میں خطرے ہیں خدا اس دل میں کیا ہوگا

مفتی لطفؔ کے تلمذ کے سلسلے میں مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے دریافت کرنے پر مکرر فرمایا تھا ''راسخؔ دہلوی نہیں'' اس سے آگے بھی کچھ جواب دیا تھا جواب اچھی طرح سے یاد نہیں۔ نہ جانے کیوں خیال پڑتا ہے کہ راسخؔ لکھنوی کہا تھا یا یہ فرمایا تھا کہ ''راسخؔ تھے تو کہیں اور کے لیکن ہو رہے لکھنؤ کے''۔ اس کدو کاوش میں ہم نے شعرا کے تذکروں کو چھانا کہ شاید اس ترکیب سے اپنی یادداشت پر اعتماد کا امکان قوی تر ہو جائے۔ چنانچہ صرف ایک راسخؔ سمجھ میں آئے جن کو زیر بحث لایا جا سکے۔ یہ راسخؔ نواب ظفریاب خان خلف ملا میاں، مقیم لکھنؤ شاگرد نواب منصور خاں مہر

کے ہیں۔ مہر بیٹے تھے نواب محبت خاں محبؔت خلف حافظ رحمت خاں کے اور قلندر بخش جرأتؔ (المتوفی ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۰۹ء) کے شاگرد تھے۔ مہؔر اور راسخؔ کے زمانۂ حیات کا فرضی تعین کر کے اور راسخؔ کے رنگ کو دیکھ کر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہی راسخؔ ہوں گے جو چودھویں صدی ہجری کے شروع کے دس پندرہ سال تک بقید حیات رہے اور مفتی لطفؔ انہی کے دامنِ تلمذ سے وابستہ ہوئے۔ انھیں راسخؔ کے اشعار میں سے جو ناسخؔ کے تذکرۂ شعرا میں درج ہیں چند اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں تا کہ اس بحث پر دوسروں کو بھی سمجھنے، غور کرنے اور رائے دینے کا آسانی سے موقع مل جائے اور شاید یہ مسئلہ حل ہو سکے۔ لیجئے نواب ظفریاب خاں راسخؔ لکھنوی کے اشعار دیکھیے:

دکھایا صانعِ قدرت نے اب تیرے کفِ پا کو
سنا کرتے تھے ہم اعجاز روشن دستِ بیضا کو

☆

کہاں اب جلوہ گر ہوتی ہے سنگِ طور کی آتش
ہزار آتش سے باہم جنگ ہووے سنگِ موسیٰ کو

☆

دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ بڑھ گیا ہوگا
انگڑائی اُس نے نشہ میں لی جب اُٹھا کے ہاتھ

لہٰذا اب اس تسلسل میں دو شاخیں نکلتی ہیں- ایک تو یہ کہ مفتی جی ابتدائے شاعری میں رسماً اور حسب دستور راسخؔ نامی کسی استاذ کے شاگرد ہوئے اور اس نسبت کو کسی سبب سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھ سکے اور عام طور پر اس کا اظہار بھی غیر ضروری سمجھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شاید ان کے استاذ جو راسخؔ تھے خود انھیں کی طرح گوشہ گیر و گمنام رہے۔ میں نے اس معاملے میں کھوج لگانے کے لیے مختلف اہلِ بدایوں سے دریافت کیا چنانچہ مولانا حاجی جامؔی صاحب نے تو قطعی تردید کی البتہ ثقلین احمد صاحب منوؔر بدایونی نے بالکل وہی بات بتائی جو میرے علم میں تھی یعنی مفتی جی (کو) راسخؔ کا شاگرد بتاتے تھے اور کہتے تھے ''یہ راسخؔ نہیں بلکہ قمرالحسن والے'' یعنی ان کے

دوست منشی قمرالحسن مرحوم قمؔر بدایونی کے استاذ راسخؔ عبدالرحمٰن دہلوی۔ اس گفتگو سے یہ طے پایا کہ مفتی جی کے استاذ کا تخلص راسخؔ تھا جن کے متعلق مزید تفصیل سے کچھ بحث نہیں البتہ وہ دہلوی نہیں تھے۔ یہاں پر یہ بھی شائبہ ہوسکتا ہے کہ اگر مفتی جی نے بذریعہ مراسلہ یا بہ نفس نفیس کسی راسخؔ کی خدمت میں پہنچ کر شاگردی اختیار نہیں کی تو اس معاملہ میں شاعرانہ انداز بیان اختیار کیا یعنی کسی غیر دہلوی راسخؔ کے رنگ کلام کو پسند کر کے فیض سخن کے اکتساب وانتساب کا سبب ٹھہرایا اور اس پر ساری استاذی شاگردی کی اساس قائم کی جس کے اظہار میں بھی لطف پیدا کر دیا۔ ہمیں یہ آخری صورت مشکوک اور قطعاً بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

مفتی صاحب راسخ العقیدہ مسلمان تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور نماز باجماعت ادا کرنے کے عادی تھے۔ نماز بھی عجب ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ قبل وبعد نماز وظیفہ میں بھی مشغول رہتے، نابینا ہونے کے بعد سے مزاج میں انتشار بڑھ گیا تھا لہٰذا بعض اوقات کی نماز قضا ہو جاتی تھی کم از کم دومٹی کے لوٹوں (بدھنوں) سے بڑی یکسوئی کے ساتھ وضو کرتے تھے کبھی کبھی خان کی مسجد میں غسل کر لیتے ورنہ اکثر دریائے سوت میں جا کر نہاتے تھے۔ نذرونیاز، عرس وفاتحہ اور بیعت و طریقت وغیرہ کے دل سے قائل تھے بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کو باعث رحمت و برکت سمجھتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں مرید بھی تھے، اپنے مرشد کی گلی سے جب کبھی گزرتے تو ان کی چوکھٹ چوم لیتے تھے۔

مشرباً مفتی جی کا تعلق مذہب عشق سے تھا وہ ایک ایسے ''صنم پرست'' کافر عشق تھے جو اہل حرم کی کاوشِ بے جا سے بے نیاز وبالاتر ہو:

ازل سے حسن پرستی شعار ہے اپنا　　　کوئی حسیں ہو مگر ہم کو پیار کر لینا

☆

جناب لطفؔ کو دیکھے کوئی بزمِ حسیناں میں　　　چمکتے ہیں برنگِ بلبلِ بستانِ محبوبی

☆

جناب لطفؔ کے دیوانہ پن کو ہم سمجھتے ہیں　　　یہ سب کم سن حسینوں کو لبھا لینے کی باتیں ہیں

مفتی جی اپنی بیوی کے انتقال کے بعد سے تنہا زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے تھے مکان

مسکونہ واقع محلّہ سوتھا جوان کے باپ دادا کے وقت کا تعمیر تھا خود زبانِ حال سے شہادت دیتا تھا کہ اس کا مکین یقیناً شاعر ہے اور شاعر بھی ایسا ویسا نہیں ہوسکتا ہے کہ اپنے وقت کا میؔر ہی ہو۔ درودیوار سے ایک حسرت و یاس اور شاعری ٹپکتی نظر آتی تھی، چھت کا بھی قریب وہی عالم تھا کہ اگر ''پودنا پھُدکے تو قیامت ہے'' کُل عمارت میں ایک کوٹھا یعنی اندر کی طرف لمبا سا کمرہ جس کے وسط میں صرف ایک دروازہ اس کے آگے دالان پھر صحن تھا۔ دو چار پائیاں تھیں جن میں بڑی چار پائی جھلونگا سی کمرے میں پڑی رہتی جو ہمیشہ بستر کے تکلفات سے مبرا رہی، ہاں ایک تکیہ ضرور موجود ہوتا، دوسرا کھٹولا تھا جو حسبِ ضرورت نقل وحرکت میں رہتا تھا لیکن اکثر صحن ہی میں پڑا رہتا تھا۔

کمرے میں دو ایک طاق بھی تھے جن میں سے بڑے طاق میں کچھ مسودات رکھے رہتے اس میں کبھی کبھی اپنی بیاض اور صاف شدہ قلمی دیوان بھی رکھ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ٹوٹا پھوٹا صندوق بھی تھا جس میں کچھ پہننے کے کپڑے رکھے تھے۔ چراغ بہت کم جلتا تھا کبھی کبھی مٹی کے تیل کی مٹی کی بنی ہوئی ڈبیا جو پیسہ دو پیسہ میں ملتی تھی اپنی ''شاعرانہ'' لَو کے ساتھ دکھائی دے جاتی، بہرنوع ہم نہیں کہہ سکتے کہ مفتی جی نے اس نہج کی زندگی کو کب سے اختیار کیا تھا اور اس انداز نے کس طرح بتدریج ترقی کی۔

مفتی جی حقہ بھی بلا کا پیتے تھے، بسا اوقات حقہ پر حقہ نوش فرماتے رہتے کھڑیل حقہ اور کبھی کبھی نریل استعمال کرتے تھے جس کے ساتھ ایک چمٹیا لگی رہتی تھی، چلم بدایوں کے ایک خاص نمونہ کی ہوتی تھی۔ ان کے مکان سے نزدیک حافظ عنایت احمد صاحب کی کوٹھی کے برآمدہ میں چھٹو بھٹیارہ جھٹ پٹے کے وقت ایک ٹوکری میں تھوڑی سی معمولی قسم کی تمبا کو کشیدنی اور کھڑیل حقہ ساتھ لے کر آتا اور ذرا دیر میں حقہ بھر کر اپنی دوکان جما کر بیٹھ جاتا۔ اب کوئی گاہک آکر حقہ پیئے یا راہ گیر دم لگاتا چلے، رفاہ عام کا یہ سلسلہ دیر تک قائم رہتا تھا غرض مفتی جی کے وقت مقررہ پر وہاں پہنچتے ہی ان کا حقہ تیار ہو جاتا، آگ کے لیے نئے بان اور دیا سلائی کی ڈبیہ ہاتھ کے داؤ پر رکھ لیتے اور اکثر خود ہی آگ کر لیتے۔ چنانچہ چند روز میں راکھ وغیرہ کے ڈھیر چار پائی سے لگے ہوئے نظر آتے جس کو اپنے آپ ہی ہلکی سی جھاڑو سے اِدھر اُدھر کر دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی سڑک پر دودھ اور بسکٹ والوں کی دوکانوں سے آگ لینے چلے جاتے۔ قریب قریب روزانہ ہی کی بات

تھی کہ صبح ہوتے ہی مفتی جی ایک ہاتھ میں چلم اور دوسرے میں چمٹیا لئے ہوئے سڑک پر دکھائی دیتے تھے پابندی وضع اور حقہ کی طلب کی یہ مثال بھی کتنی دلچسپ ہے کہ مفتی جی نیا حقہ پہلے ایک منظور نگاہ منشی حاجی عبدالقیوم سے جھوٹا کراتے، جب تک یہ تقریب (Opening Ceremony) نہ ہو جاتی اس حقہ کو منہ نہ لگاتے۔ ایک مرتبہ ایسے موقع پر حقہ ٹوٹ گیا جب کہ منشی جی بدایوں سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک موضع کو گئے ہوئے تھے اور لطف یہ کہ ان دونوں میں بول چال نہیں تھی۔ مفتی جی کسی دوسرے کا حقہ پیتے نہ تھے، لہٰذا تین دن تک حقہ کے فاقہ سے پریشان رہے، آخر کار ایک روز نیا حقہ خرید لیا اور اسی موضع تک پیدل چل کر تین بجے دن کے پہنچ گئے۔ جاتے ہی حقہ تازہ کیا، چلم بھری، پھر حقہ کو منشی جی کی طرف بڑھا دیا اور خود منہ پھیر کے کھڑے ہو گئے، منشی جی منتظر رہے کہ مفتی جی خود بولیں یہ نہ بولے، ہاتھ پکڑ کر مفتی کو بٹھانا چاہا تو نہ بیٹھے مجبور ہو کر منشی جی نے حقہ پی لیا اور مفتی جی فوراً ہی حقہ لے کر چل پڑے۔ منشی جی نے ہر چند روکا مگر نہ رُکے اور گھر پہنچ کر ہی دم لیا۔

ایک تو شکل و شباہت خداداد شاعرانہ اور اس پر ایک مخصوص رنگ کی وضع ایسی اختیار کی تھی کہ مفتی جی کو دیکھنے والے کا ذہن خود بخود ان کے کمال سخن کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ میانہ قد و قامت، قدرے گول چہرہ، چہرہ پر داڑھی، مگر رخساروں پر بال کم اور خال خال، پیشانی بہت کشادہ، گردن و گوش و سر متوسط درجہ کے، سر بالکل چکنا، گردن کی طرف آس پاس تھوڑے تھوڑے بال پٹھے دار، رنگ سانولا کہہ لیجیے نہ گورے، گندمی ہی تھے نہ کالے، آنکھیں چھوٹی تھیں اور بھنویں بھری ہوئی، ناک موٹی اور پھیلی ہوئی سی، دہانہ بڑا تھا، ہونٹ موٹے تھے مگر زیادہ نہیں، جلدی جلدی بولتے تھے مگر لکنت نہیں تھی، بعض اوقات اچھی طرح بات سمجھ میں نہ آپاتی تھی، آواز بھاری نہیں تھی، سینہ اچھا خاصہ درمیانہ، نہ بہت زیادہ چکلے چوڑے نہ لاغر و نحیف کندھے اور مُڈھے ذرا ڈھلے ہوئے، ہاتھ بڑے بڑے اور مضبوط، انگلیاں لمبی لمبی، پاؤں درمیانہ، رفتار معمولی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لپک لپک کر چلتے ہیں۔

لباس میں سر پہ دو پلہ ٹوپی، بدن پر کرتہ کلیوں دار ڈھیلے عرض کا، بڑے پائینچے کا پاجامہ ٹخنے کھلا ہوا بلکہ اس سے بھی کچھ اونچا، کسی جگہ یا محفل مجلس میں جاتے تو کلیوں دار انگرکھا بھی پہنتے تھے جو

کبھی گاڑھے کا اور کبھی خاصے کا ہوتا تھا۔ بقیہ سارا لباس کھدر ہی کا استعمال کرتے تھے۔ غالباً تحریک خلافت کے دور سے کھدر پہننا شروع کیا ہوگا۔ کبھی کبھی صرف پاجامے یا تہمد میں یا اس کے ساتھ جسم پر ایک چادر لپیٹے ہوئے گھر سے باہر سڑک پر نکل آتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں بھی یہی لباس رہتا تھا۔ سخت جاڑے میں ایک چادر اوڑھے رہتے غالباً مرزائی کم استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جوتیاں لدھیانہ کی پہنتے تھے۔

مفتی صاحب قدیم تہذیب وتمدن کا ایک جامع نمونہ تھے وہ نہایت خلیق، باوضع اور منکسر المزاج تھے، ساتھ ہی ساتھ غضب کے نازک مزاج بھی تھے۔ اس کے علاوہ حفظ مراتب کا اس قدر خیال رکھتے کہ عمر میں صرف تین سال بڑے بھائی مفتی کرم احمد صاحب میخوآر کا مثل باپ کے ادب کرتے تھے۔ ہر ایک سے محبت، خلوص اور خلق کے ساتھ ملتے تھے۔ خاص و عام ہر قسم کے لوگ اکثر ان سے بے تکلف بات چیت کر لیتے تھے۔ بذلہ سنجی، عاشقانہ مزاجی اور حسن پرستی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ ہوس، نام ونمود شاید ان کے قریب سے ہوکر بھی نہیں گزری تھی۔ غالباً ۱۹۳۲ء کے قریب آخری عمر میں موتیا بند کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی چنانچہ اس کے بعد سے جب کوئی ملتا تو اکثر ایک ہاتھ سے پکڑ کر اپنے دوسرے ہاتھ کو اس کے چہرے پر پھیرتے اور نام بتا دیتے اور ساتھ ساتھ زبان سے بھی یوں مزہ لیتے جاتے جیسے کوئی چٹخارے لیتا ہو۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب آفتاب احمد سے ملاقات ہوگئی چھوٹتے ہی ہاتھ پھیر کر بولے ''ارے آفتاب گہن میں آگیا''۔ آنکھیں جانے کے شروع زمانے میں کسی عام شخص نے اپنی زبان میں ہمدردی سے پوچھا ''مفتی جی چلا جائے ہے'' چنانچہ اپنا عصا اٹھا اٹھا کے اور زمین پر ٹیک ٹیک کر فوراً ہی جواب دیا ''ہاں بھیا ایسے ہی ٹیکتے ٹیکتے''۔ پھر کیا تھا، خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ فقرہ تا زیست چلا، کسی کے کہنے کا برا نہ مانتے بلکہ مسکرا کر جواب دیتے اور کبھی صرف مسکراتے رہتے اور زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ امیر وغریب، عالم و جاہل سب ہی اپنے اپنے ذوق اور معیار کے مطابق مفتی جی کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے لیکن مفتی لطف مرحوم کی شخصیت، وقار اور انفرادیت ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہتی۔ روزانہ جہاں جہاں کے پھیرے بندھے ہوئے تھے وہاں ضرور جاتے۔ آخر زمانے میں اپنے مکان سے قریب ایک درزی کی دوکان پر نشست مقرر تھی۔ اس دوکان پر اپنے دیوان

رکھ دیتے جن میں سے کبھی کبھی اپنی غزلیں پڑھوا کے سنتے تھے۔

شعر کہنے کا انداز بھی خوب تھا یوں تو چلتے چلتے شعر کہہ لیتے لیکن خاص طور سے اپنے گھر پر چارپائی پر لیٹے لیٹے یا صحن میں ٹہل ٹہل کر شعر کہتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ سڑک پر چلے آئے، ٹہلتے جاتے ہیں اور شعر کہہ رہے ہیں۔ جب اشعار موزوں ہو جاتے تو حافظہ میں رکھنے کے علاوہ پنسل یا کوئلے سے گھر کے در و دیوار پر لکھ لیتے اور جب سے بصارت گئی تھی کسی دوسرے سے لکھوا لیا کرتے تھے۔

مفتی لطف مرحوم خاص خاص نشستوں ہی میں جاتے عام طور سے مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے تھے صرف ذاتی تعلقات، دوستی اور محبت کے اثر سے چند مرتبہ وطن سے باہر بھی مشاعروں میں گئے۔ ایک مرتبہ ۱۹۳۴ء میں مولوی مجتہدالدین عیشؔ بدایونی کی وجہ سے دھام پور ضلع بجنور گئے تھے جہاں عیشؔ صاحب رجسٹرار قانونگو اور جگرؔ بریلوی نائب تحصیلدار تھے۔ اسی طرح بریلی میں مرزا غالبؔ کے شاگرد قاضی عبدالجمیل جنوںؔ کے خلف رشید قاضی محمد خلیل حیرانؔ کے اصرار پر جانا ہوتا اور حاجی عطا محمد عطاؔ بدایونی وکیل تلہر کی دعوت پر تلہر ضلع شاہ جہاں پور متعدد بار جانا ہوا، اس کے علاوہ ان کا فرمانا مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار علی گڑھ کے کسی مشاعرہ میں شرکت کے لیے مجبور ہو گئے تھے، مارہرہ شریف میں شاہ ابوالحسین نوری میاں صاحب قبلہ کے عرس کے موقع پر سالانہ مشاعرہ میں جو دلیرؔ مارہروی کے دولت کدہ پر منعقد ہوتا تھا شریک ہوتے تھے۔

جناب لطفؔ کے شعر پڑھنے کا طریقہ نہ تحت اللفظ تھا نہ مترنم عجب دل آویز پُر تاثیر انداز تھا کیونکہ ان کی تمام ادائیں اور حرکات وسکنات ایک حقیقی کیفیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تصنع سے مبرا تھیں، بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فنافی الشعر مزے میں ڈوب کر شعر پڑھ رہا ہے۔ سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے اور بعض اوقات تو شعر پورا بھی نہ کرنے پاتے کہ واہ وا، سبحان اللہ کے شور سے محفل گونج اٹھتی تھی۔ مصرعۂ اول کو دو ٹکڑے کر کے درمیان میں خفیف سے مزے دار جھٹکے کے ساتھ اور دوسرا مصرعہ قدرے تیزی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ردیف کو تو قریب قریب ہمیشہ چھوڑ دیتے، صرف غزل شروع کرتے وقت ایک آدھ بار پورا شعر مع ردیف کے پڑھتے تھے۔ بعدہٗ صرف قافیہ تک پہنچ کر رُک جاتے اس انداز سے کہ جیسے اب سانس ٹوٹ گئی۔ علاوہ ازیں

ہاتھ اور انگلیوں کے اشاروں سے شعروں کو اکثر ایسی تراش خراش کے ساتھ پیش کرتے کہ معانی و مفہوم کی ایک ایک تصویر کھینچ دیتے تھے۔ مثال کے طور پر دیکھئے مفتی جی یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

ایک دل مانگا کسی نے جب ہزاروں ناز سے — کہیے پھر ہاں کے سوا ہم اور کیا کہتے؟ نہیں؟

تو گویا یوں پڑھتے کہ انگشت شہادت اٹھا کر کم از کم دو بار ''ایک دل'' کہتے پھر کسی کے دل مانگنے کا مختصر اشارہ ہوتا، اس کے ہاتھ سے بڑے مزے کے ساتھ ''ہزاروں ناز'' گنواتے اور ان ہزاروں نازوں سے دل طلب کرنے پر بڑے پیارے طریقہ سے اقرار ''ہاں کے سوا'' اور انکار ''نہیں'' کی اہمیت و حقیقت واضح کر دیتے اور خود بھی ایسا لطف اٹھاتے جاتے گویا کام و دہن کو سچ مچ کسی مذاق کا احساس ہو رہا ہے، عام طور سے پڑھتے وقت تھوڑا بہت سر ہلاتے جاتے اور انتہائے لطف میں ران پر بھی ہاتھ مارتے جاتے تھے۔ دوسروں کے شعر سن کر بھی خوب مزہ لیتے۔ اگر کوئی شعر پسند نہ آتا تو ایک خاص انداز سے سکوت اختیار فرماتے اور کبھی کبھی منہ بھی بگاڑ لیتے تھے۔ اچھے اور پسندیدہ شعروں پر داد دینے کے سلسلے میں ''واہ، بھئی خوب کہا ہے''، ''بھئی کیا کہا ہے'' وغیرہ تکیہ کلام تھا۔ نابینا ہونے کے بعد سے بعض اوقات مشاعرہ میں غزل شروع کرنے سے پہلے یہ قطعہ بھی پڑھتے اور اس کو پڑھتے میں وہ واقعی رو دیتے تھے

قطعہ

بزمِ مشاعرہ میں جو آیا تو رو دیا — دامن تمام دیدۂ تر نے ڈبو دیا
معذور محض بے بصری ہوں پڑھوں تو کیا — پڑھنے کا لطف تو مری آنکھوں نے کھو دیا

ایک مرتبہ مفتی جی کے انتقال سے تین چار سال قبل بدایوں میں کل ہند طرحی مشاعرہ بصدارت حاجی مولوی وحید بخش صاحب مرحوم منعقد ہوا۔ صاحب صدر نہایت وجیہہ و شکیل، حسین و جمیل اور مفتی جی کے اوائل عمر سے عزیز ترین دوستوں میں تھے۔ اس مشاعرہ میں جب مفتی جی کی باری آئی تو خاص طور سے محفل شباب پر آ گئی اور رنگ ہی بدل گیا۔ آخر مفتی لطفؔ نے جب مقطع شروع کیا:

اور کیا لطف ہو اس لطف سے بڑھ کر اے لطفؔ
لطفِ اشعار بھی ہے جلوۂ جانانہ بھی

تو ''جلوۂ جانانہ بھی'' کہتے وقت کرسئ صدارت کی جانب جس مزے سے اشارہ فرماتے تھے اس کا جواب نہ تھا۔ بزم کی بزم محوِ لطف تھی مکرر مکرر، ایک بار پھر عنایت ہو، مقطع پڑھے ہی جایئے، مفتی صاحب کیا کہنا، مفتی جی کیا کہا ہے، سبحان اللہ اور واہ وا کا ایسا شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی اور جانے کتنی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کسی نے شاید نابینا ہونے کی طرف فقرہ چست کیا تو انھوں نے برجستہ جواب دے دیا۔

۱۹۴۰ء میں حاجی مولوی وحید بخش صاحب کے انتقال نے مفتی جی کے شعر و سخن کے ذوق و شوق اور ولولوں کو بالائے طاق رکھوا دیا، مولوی صاحب کی وفات پر اور غالبؔ کے مصرع کی طرح پر:

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

غزل کے انداز میں کم و بیش سو، سوا سو اشعار پر مشتمل ایک طویل مرثیہ لکھا تھا جس کے متعلق فرماتے تھے ''یہ ہمارا استعفیٰ ہے''۔

دراصل مفتی لطفؔ مرحوم باقاعدہ استاذی و شاگردی سے دور ہی رہے اس لیے ان کے تلامذہ کی فہرست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ بعض حضرات کو ان سے مشورۂ سخن کرتے دیکھا ہے۔ بزمانہ ۱۹۴۰ء مَیں نے بھی اپنی سب سے پہلی غزل بہ غرض اصلاح ان کو سنائی تھی نیز جب تک وہ زندہ رہے انھیں سے اصلاح لیتا رہا۔

مفتی لطفؔ مرحوم کے انتقال کے بعد راقم السطور نے ان کے بڑے بھائی مفتی کرم صاحب میخوارؔ سے مشورۂ سخن کیا، حضرت میخوارؔ نے بھی خوب طبع حاضر اور فکر رسا پائی تھی موصوف خود تو نعت و منقبت میں شعر کہتے مگر دوسروں کے زیادہ تر پھڑکتے ہوئے عاشقانہ اشعار سننا پسند کرتے اور جی کھول کر داد دیتے تھے۔

میرے علاوہ ایک شخص احمد بخش بدایونی میلاد خواں متخلص فطرتؔ نے اپنے آپ کو مفتی لطفؔ کا شاگرد بتایا اور کہا کہ مفتی جی کے فرمانے کے بعد ہی انھوں نے نعت و منقبت پر زیادہ توجہ صرف کی۔ ان بے چارے نے مفتی جی مرحوم کے متفرق نعت و مناقب کے اشعار اپنی یاد سے لکھ کر جمع کیے ہیں۔

جہاں تک معلوم ہے مرحوم مفتی صاحب لطفؔ کے تین دیوان بہاریہ و عشقیہ کلام پر مشتمل تھے

اور ایک دیوان نعت ومناقب کا تھا۔ آخر زمانے میں ابوالاثر حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام کی طرز پر جنگ خیبر کا حال نظم کیا تھا جس میں تقریباً ڈھائی سو اشعار تھے۔ حالات کی ناسازگاری اور طبیعت کی افتاد کے باعث اشاعت کلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اکثر و بیشتر نعت شریف کی غزل کہنے کے بعد نثار احمد صاحب نعت خواں کے حوالے کر دیتے تھے۔ خیال ہے کہ بیشتر نعت ومنقبت کا کلام مع نظم جنگ خیبر کے انھیں صاحب کی تحویل میں ہوگا۔ بہر حال متذکرہ بالا چاروں دواوین کا تا ایندم صحیح پتہ نہیں کہ کیا حشر ہوا۔

آیئے اب مفتی صاحب کے انداز شاعری پر کچھ گفتگو اور ایک نظر کر لیں۔ مفتی صاحب کا کلام چند متفرق اشعار اور غزلوں پر مشتمل ہے۔ ایسے اشعار کافی شامل ہیں جو ایک حد تک موصوف کے مزاج کی رنگینی، وقتی دلچسپیوں، تفریحی رنگ اور عام زندگی کی ہی عکاسی کرتے ہیں مثلاً ایک موقع پر کچھ نوجوان پیچھے پڑ گئے اور مفتی جی سے ایک خوبصورت لڑکے اقبال نامی پر فی البدیہہ یہ شعر کہلوا لیا:

چاند کو خفت ہے جس سے وہ چمک ہے گال کی
تم کو شک ہے دیکھ لو صورت مرے اقبال کی

اسی طرح ایک شعر میں لفظ عزیز ذومعنویت کے ساتھ موجود ہے:

سب سے بڑھ کر تم ہو دنیا میں عزیز
تم سے بڑھ کر ہیں تمہاری گالیاں

سردست ہمارے پیشِ نظر حضرت لطفؔ کا بھرپور کلام نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے متعدد شعروں کو نمونۂ کلام میں شامل کر لیا گیا ہے کیونکہ اس کے سوا دوسرا چارۂ کار ہی نہ تھا۔ بہر حال ہماری خواہش یہ ہے کہ کسی صورت سے صاحب موصوف کا معتد بہ کلام دستیاب ہو جائے تو اہلِ ذوق کو دعوتِ فکر ونظر دیں۔

مفتی صاحب مرحوم نہ صرف علومِ عربی و فارسی میں عمدہ استعداد کے مالک تھے بلکہ ان کو شاعری کے فن سے بھی کامل واقفیت تھی۔ طبیعت بھی خداداد غضب کی پائی تھی۔ چنانچہ متروکات و معائب سخن سے ان کا کلام یکسر پاک اور صحت وصفائی کے ساتھ دلنشیں ہے۔ وہ محاورات و امثال

اور روز مرہ کو نہایت درستی، چستی اور برجستگی کے ساتھ استعمال کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، ان کے بیان وزبان میں روانی، سادگی اور ایک خاص قسم کی شوخی جھلکتی ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہایت خوش فکر، نازک خیال، رنگیں بیان اور شیریں زبان شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں لطیف اشعار کی کمی نہیں۔

مفتی جی ہمیشہ آلام ومصائب کا شکار رہے۔ درد وحرماں اور حسرت ویاس نے زندگی بھر ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ شاید ''غمِ جاناں'' نہیں غمِ دوراں، ان کی قسمت میں مقدر تھا۔ چنانچہ وہ جب کبھی زندگی کی تلخیوں، زیست کی الجھنوں اور اپنے ماحول کی حقیقتوں کا استعاروں، کنایوں اور تشبیہوں کی آڑ لے لے کر بیان کرتے ہیں تو واقعی تغزل کے پردے اور غزل کی لے میں ''جگ بیتی'' کا مرقع پیش کر دیتے ہیں۔

بسا اوقات مفتی لطفؔ کے اشعار بڑے پھڑکتے ہوئے اور چونچلے کے ہوتے ہیں جن کی زبان بہت چٹ پٹی، صاف اور مزیدار ہوتی ہے۔ وہ قدیم وضع کے شاعر تھے۔ گل وبلبل، قفس وگلستاں، چشم وابرو، زلف وعارض، وصال وفراق، کنگھی چوٹی، بوس وکنار یعنی معاملہ بندی اور دبستان سخن کی ساری اصطلاحیں اور غزل کے اصل موضوع پر ہر قسم کے مضامین ان کے کلام میں تازگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے عشق مجازی کی واردات و کیفیات کے باب میں خوب خوب گل کھلائے ہیں۔ عاشق ومعشوق کے ناز و نیاز کے ایسے دلچسپ نظر فریب مرقعے پیش کئے ہیں جو بعض اوقات جرأتؔ، رندؔ اور داغؔ کے ملے جلے رنگ کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ رعایت لفظی اور رندیِ مضمون کو بیساختہ پن اور شیریں الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ وہ تصوف کے مضامین اور اخلاقی قدروں کو بھی اپنے شعروں میں اس ترکیب واہتمام سے سمو دیتے ہیں کہ حقیقت کی کارفرمائی کے ساتھ نزاکت ولطافت کا دامن بھی نہیں چھوٹنے پاتا۔ بالفاظِ دیگر لطفِ الفاظ و بیان کے ساتھ خوبیِ معنی بھی موجود ہوتی ہے۔ اظہارِ جذبات اکثر نہایت بے ساختہ، سلیس، بامحاورہ اور عام فہم ہوتا ہے جو فصاحت کی جان ہے چنانچہ ان کے کلام میں سہلِ ممتنع کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ مومنؔ اور فانیؔ کی طرح اپنے تخلص سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مفتی صاحب پرانے طرز کے غزل گو شاعر ہونے کے باوجود ردیف وقافیہ کی قیود سے تنگ اور قافیہ بندی کے شکوہ سنج

ہیں۔ یہ بات ان کی وسعت فکر ونظر، فراوانیٔ جذبات اور روشن خیالی کی دلیل ومثال میں پیش کی جا سکتی ہے کیونکہ اس تلخ نوائی میں وہ بھی غالبؔ کے دوش بدوش اور ہمنوا نظر آتے ہیں:

غالبؔ نبود شیوهٔ من قافیہ بندی ظلمے ست کہ بر کلک و ورق میکنم امشب

☆

بقدر شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل غالبؔ کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

☆

کیا خاک لطف آئے غزل میں جنابِ لطفؔ ان قافیوں کی قید سے جی تنگ آ گیا

(لطفؔ)

کسی نے سچ کہا ہے کہ ''ایک اچھا نعت گو ہونے کے لیے اچھا غزل گو ہونا ضروری ہے''۔ چنانچہ نعت کو معیارِ دین پر تولنے سے پہلے نعت گو کی حیثیت کا جانچنا ضروری ہے۔ نیز چند صنفی شرائط متعین کرتے وقت یہ لازم ہوگا کہ ممدوح کو اس کے صحیح مقام سے پیش کیا جائے۔ دیکھیے مفتی لطفؔ خود بھی اس تمام حقیقت کو کتنی سادگی سے کہہ گئے:

ہاں اگر حضرتِ حساں کا کرم ہو تو لکھوں
نعت لکھنا نہیں آسان مدینے والے

ہمارے خیال میں مفتی صاحب نے نعت گوئی کی دشوار گزار منزلوں کو بڑی خوبصورتی سے طے کیا ہے ان کے نعتیہ کلام میں شاعرانہ مذاق اور نکتہ آفرینی کے ساتھ محبت وصداقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار بالکل سرسری اور خشک نہیں ہوتے بلکہ عشقِ رسول کی بے مثل چاشنی سے ایک خاص رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں اور یہی حال منقبت کے کلام کا ہے۔ عشقیہ شاعری کی طرح انھوں نے اس صنف خاص میں بھی اکثر صوری ومعنوی دلکشی کو قائم رکھا ہے۔ مضامین کا تنوع، ندرت، بلندی اور شگفتگی جا بجا موجود ہے۔ اندازِ بیان میں سلاست وروانی اور زبان میں شیرینی وصفائی وسادگی ہے ان کے یہاں تلمیحات کا ایک خاص اور عام فہم انداز ہے جس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک عام شخص بھی ان کے تلمیح طلب شعروں کو پڑھ کر ذہنی طور پر الجھتا نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اشعار ضرب المثل کی طرح زبان زد خاص وعام ہیں۔ ان میں سے پہلے

ایک نعتیہ شعر کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

مفتی لطفؔ مرحوم کا یہ شعر ملک بھر میں ایسا مشہور و مقبول ہوا ہے کہ اس کے متعلق طرح طرح کی روایتیں سننے میں آتی رہی ہیں۔ یہ بات بہت مشہور ہے کہ علامہ ڈاکٹر اقبال نے جب یہ شعر سنا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ''میں نے ایک قالب تیار کیا تھا جس میں جان ڈال دی گئی''۔

دراصل کسی نے بدایوں سے ڈاکٹر صاحب کو یہ شعر لکھ بھیجا تھا جس کے جواب سے مفتی جی کے اس شعر اور نعت گوئی کے مقام پر روشنی پڑتی تھی۔ نیز علامہ کا ایک ایسا ہی خط میر محفوظ علی صاحب بدایونی کے نام آیا تھا جس سے بدایوں کے مزارات پر حاضری اور اہل کمال کی ملاقات کا اشتیاق مترشح ہوتا تھا چنانچہ حسبِ وعدہ علامہ کا بدایوں تشریف لانے کا ارادہ بھی تھا جہاں ان کی آمد و استقبال کی شاندار تیاریاں ہو رہی تھیں کیونکہ بدایوں میں اس سے بہت پہلے ہی اقبالیات کا آغاز ہو چکا تھا۔ بر سبیلِ تذکرہ یہ بات عرض کر دوں کہ اس سلسلے میں نہایت اونچے پیمانہ پر ''کل ہند بزمِ مشاعرہ'' وغیرہ کا مکمل پروگرام تھا جس کو علامہ کی موت نے یومِ اقبال بنا دیا اور اقبالیات پر قبلہ استاذی مولوی سبطین احمد صاحب کا ایک نہایت مبسوط اور ادبی و تاریخی مقالہ جو علامہ کی موجودگی میں پڑھا جانے والا تھا اس یومِ اقبال کے جلسۂ تعزیت میں راقم الحروف نے پڑھا تھا۔ کسی نے اس واقعہ پر ایک عجیب سا شعر بھی کہا تھا جو بہت مشہور ہو گیا:

ضرار(۱) کی تدبیریں ثقلین(۲) کے منصوبے
تقریب کے پردے میں اقبال کو لے ڈوبے

اس کے بعد ایک عاشقانہ شعر کے باب میں کچھ عرض کرنا ہے جو مفتی جی کے علاوہ ان کے بعض معاصرین کے ناموں سے بھی منسوب ہے۔ ہم اس شعر کا کچھ بھی ذکر نہ کرتے اگر یہ شعر مفتی صاحب کے دیوان میں موجود نہ ہوتا اور اہلِ ذوق کے اکثر حلقوں میں لطفؔ کے نام سے معروف نہ ہوتا۔ یہی شعر مفتی صاحب اور ان کے بعض معاصرین کے علاوہ سید حسن کیفؔ دہلوی

۱۔ ضرار کاظمی ۲۔ ثقلین احمد منوّر بدایونی (دونوں حضرات مجوزہ مشاعرے کے منتظمین میں شامل تھے)۔

اور شیخ افضل احمد کیفؔ لکھنوی کے ناموں سے بھی منسوب ہے۔ تذکرہ ذوق و مذاق مطبوعہ ۱۲۹۸ھ میں اس سے متعلق پوری بحث ملتی ہے جس کا ماحصل اور لب لباب پیش کیا جاتا ہے:

سید حسن کیفی ابن حافظ نعمت علی امام و خطیب عیدگاہ دہلی، بتقریب ملازمت بندوبست بدایوں آ گئے تھے اور حضرت مولانا شاہ دلدار علی مذاقؔ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بدایوں کے مشاعرہ میں ایک غزل سر جلسہ سنائی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا:

کسی نے باغ میں ایسا شگوفہ چھوڑا ہے
کہ آج تک گل و بلبل میں بول چال نہیں

اس کے بہت بعد یہ شعر شیخ افضل احمد کیفؔ لکھنوی خلف شیخ اکبر علی کشمیری، شاگرد میر وزیر علی صباؔ لکھنوی کے اُردو دیوان میں خدا جانے کس وجہ سے چھپ گیا۔ اگر کہا جائے کہ توارد ہوا تو قیاس میں نہیں آتا۔ مؤلف تذکرہ طورِ کلیم نے ان ہی کیفؔ لکھنوی کے دیوان سے چار شعر انتخاب کئے ہیں جن میں ایک یہ شعر بھی ہے۔

پھر خیال آتا ہے کہ توارد نہیں تو کیا ہے؟ خدانخواستہ کوئی لائق شاعر ایسا تو کرے گا ہی نہیں کہ کسی اور کے شعر کو اپنا بتا دے اور اپنی کتاب میں چھپوا دے۔ غرضیکہ ''العلم عنداللہ'' اس کے علاوہ نساخؔ کے تذکرۂ سخن شعرا میں بھی انھیں کیفؔ لکھنوی کے نو اشعار دیئے ہیں جن میں ایک یہ متنازعہ شعر بھی شامل ہے۔

اس ساری گفتگو کے بعد یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر کو مفتی لطفؔ کے نام سے منسوب نہ کیا جائے خواہ ان کے کسی غیر مطبوعہ دیوان میں بھی موجود ہو۔ نیز ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ ایسا عجیب و غریب قسم کا توارد ہو سکتا ہے، تلاش سے اس کے ثبوت میں مثالیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔

☆☆☆

انتخابِ کلامِ لطفؔ

نعت

دمِ نزع اگر مولیٰ ترا دیدار ہو جاتا
کہاں کا خوفِ محشر پھر تو بیڑا پار ہو جاتا

اگر پرتو فگن نورِ شہِ ابرار ہو جاتا
جمالِ حق کا آئینہ در و دیوار ہو جاتا

جو مثلِ بوئے گیسو پھیلتا رنگِ شب گیسو
گنہگاروں کو ابرِ رحمتِ غفّار ہو جاتا

نصیبوں سے اگر وہ خواب میں جلوہ نما ہوتے
مچل کر اُن کے قدموں پر فدا سو بار ہو جاتا

وہ روضہ جس میں جبریل امیں آنکھیں بچھاتے ہیں
مرے پیشِ نظر ہی اے شہِ ابرار ہو جاتا

تصور میں اگر وہ نور کی صورت دکھا جاتے
مرا داغِ تمنا ماہ پُر انوار ہو جاتا

تمہارا نامِ نامی جب لیا ہم نے تہِ دل سے
تو پھر دریائے غم سے کیوں نہ بیڑا پار ہو جاتا

وہیں کافور ہو جاتی سیاہی میرے عصیاں کی
اگر تقدیر سے میں حاضرِ دربار ہو جاتا

نہ لاتے گر فرشتے آپ کی تصویر مرقد میں
تو یہ مستِ مئے اُلفت بھی کیا ہشیار ہو جاتا

سرِ اقدس تو کیا پائے مبارک کا یہ رتبہ ہے
جو ان قدموں پہ سر رکھتا وہی سردار ہو جاتا

یہ سچ ہے دوست کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے
وہ پیارا حق کا ہوتا جس پہ اُن کا پیار ہو جاتا

مری آنکھیں بھی فرشِ روضۂ پُرنور ہو جاتیں
کبھی تو میں بھی مولیٰ حاضرِ دربار ہو جاتا

کبھی تو لطفؔ کو وہ چاندسی صورت دکھا دیتے
کبھی تو اس کا مطلب بھی شہِ ابرار ہو جاتا

☆☆☆

اگر پرتو فگن نور شہ ابرار ہو جاتا
جمالِ حق کا آئینہ در و دیوار ہو جاتا

جو مثل بوئے گیسو پھیلتا رنگ شب گیسو
گنہگاروں کو ابرِ رحمتِ غفار ہو جاتا

چبھے پاؤں میں خارِ راہِ طیبہ کیا قیامت ہے
یہ کانٹا دل میں رہتا یا جگر کے پار ہو جاتا

بجائے اشک اگر شرم معاصی سے لہو روتے
ہمارا دامن تر دامنِ گلزار ہو جاتا

نہ رہتی اس کے دل میں خاک وقعت تاج شاہی کی
جو قسمت سے تمہارا غاشیہ بردار ہو جاتا

نصیبوں سے اگر وہ خواب میں جلوہ فزا ہوتے
مچل کر ان کے قدموں پر فدا سو بار ہو جاتا

وہ اعجاز تکلم تھا کہ منھ سے پھول جھڑتے تھے
اگر کافر بھی سن لیتا تو وہ دیندار ہو جاتا

سرِ اقدس تو کیا پائے مبارک کا یہ رُتبہ ہے
جو ان قدموں پہ سر رکھتا وہی سردار ہو جاتا

یہ سچ ہے دوست کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے
وہ پیارا حق کا ہوتا جس پہ ان کا پیار ہو جاتا

وہ جس کی خاک پا غازہ ہے روئے عرش اعظم کا
مرے دل میں بھی یا رب جلوہ گر یکبار ہو جاتا

کبھی تو لطف کو وہ چاند سی صورت دکھا دیتے
کبھی اس کا بھی مطلب اے شہ ابرار ہو جاتا

☆☆☆

(ماہنامہ شمس العلوم بدایوں، ج:۳/شمارہ۳، ربیع الاول۱۳۳۴ھ)

اللہ رے شانِ حسنِ خدا ساز مصطفیٰ　　وہ ذات بے نیاز ہو اور نازِ مصطفیٰ
اک بات ہے کہ ہاتھ میں باتیں کریں حجر　　جنبش کرے اگر لبِ اعجازِ مصطفیٰ
مرنے کو جانتے ہیں حیاتِ ابد ملی　　جینے کو موت کہتے ہیں جانبازِ مصطفیٰ
جینے سے جی چراتے ہیں کشتے فراق کے　　مرنے پہ جان دیتے ہیں جانبازِ مصطفیٰ
بگڑے ہوئے نصیب ہمارے بنائے　　اُف رے کرشمۂ نگۂ نازِ مصطفیٰ
آنکھیں ملوں کبھی کبھی آنکھوں میں دوں جگہ　　پاؤں جو خواب میں قدمِ نازِ مصطفیٰ
وہ خوش نصیب تھے جو سرفراز ہو گئے　　یہ سر کہاں کہاں قدم نازِ مصطفیٰ
حق جلوہ گر ہے چشم حقیقت نگر سے دیکھ　　آئینہ جمالِ خدا سازِ مصطفیٰ
حالِ فراق اُستنِ حنا نہ دیکھیے　　دیکھی گئی نہ جلوہ گہے نازِ مصطفیٰ
جی چاہتا ہے چشمِ تصور کو چوم لوں　　یہ دل ہو اور جلوہ گہے نازِ مصطفیٰ
باتوں میں لب ہلیں تو کلیجے نکل پڑیں　　دل کھینچتی ہے وہ نگہۂ نازِ مصطفیٰ
سجدے میں وہ شفاعت امت پہ ہیں مصر　　یہ نازِ مصطفیٰ ہے وہ اندازِ مصطفیٰ

وہ کیا ہے جو نہیں مرے مولا کے ہاتھ لطفؔ
ہر شے پہ آشکار ہے اعجازِ مصطفیٰ

(از بیاض مولوی محمد حسین نعت خواں)

☆☆☆

لکھتے ہیں وصف روئے رسالت مآب کا
ہم عطر کھینچتے ہیں گلِ آفتاب کا

کوثر پہ دور میں ہے پیالہ شراب کا
صدقہ اُتر رہا ہے بوئے آفتاب کا

روشن ہے گو جہان میں نام آفتاب کا
لیکن کہاں جواب رُخِ لاجواب کا

چمکے گا میرے سامنے کیا آفتابِ حشر
ذرّہ ہوں خاکِ پائے شہ بوتراب کا

وہ فرشِ خاک اپنے لیے عرش پاک ہے
جس سرزمیں پہ نقشِ قدم ہے جناب کا

راکب حضور سا ہو تو مرکب براق سا
جبریل جیسا تھامنے والا رکاب کا

سو بار دن سے رات ہو اور رات سے ہو دن
ثابت نہ کر سکا کوئی سایہ جناب کا

پلّے پہ اُن کے کون ہے سردارِ دو جہاں
کس کا کرم ہے شافع روز حساب کا

بھر بھر کے جام ساقیٔ کوثر پلائیں گے
لائے گا رنگ حشر میں پینا شراب کا

بخشا خدا نے رحمت عالم تمہیں خطاب
عالم میں اور بھی ہے کوئی اس خطاب کا

آساں ہو یا خدا مری مشکل حساب کی
صدقہ حضور شافع روزِ حساب کا

لکّھی ہے نعت شاہِ رسالت مآب کی
ہم نے یہ ایک کام کیا ہے ثواب کا

کیوں آج برقِ حسن چمکتی ہے بار بار
کس نے لیا ہے نام مرے اضطراب کا

رحمت نے عاصیوں کو گلے سے لگا لیا
دیکھا کرم جو شاہِ رسالت مآب کا

جس کی صفت عظیم کہے ربّ ذوالجلال
کیا خلق تھا جنابِ رسالت مآب کا

سچ تو یہ ہے کہ دولتِ دارین مل گئی
ہاتھ آ گیا جو دامنِ دولت جناب کا

دی ہے ہمیں فقیر نے جھوٹی امیر کی
کیا پوچھتا ہے لطف ہماری شراب کا

پیرِ مغاں امیر ہوں ساقی فقیر ہو
اے لطف یوں پئیں تو مزا ہے شراب کا

☆☆☆

خدا شاہد مجھے دعویٰ نہیں زہد و ریاضت کا
مگر اک بندۂ عاصی ہوں مولیٰ تیری اُمّت کا

گنہگارانِ اُمّت کو بہت ڈر تھا قیامت کا
مگر دیکھا تو نکلا نام دربارِ شفاعت کا

خدا شاہد ہے پھر کچھ ڈر نہیں روزِ قیامت کا
اگر وردِ زباں ہو مرتے دم کلمہ شہادت کا

قیامت میں بچانا گرمیٔ مہرِ قیامت سے
مرے سر پر ہو سایہ آپ کے دامان رحمت کا

مرے قلب و زباں تصدیق اور اقرار کرتے ہیں
تری وحدانیت کا اور حضرت کی رسالت کا

شبِ اسریٰ شرف یابِ محبت ہوں زہے قسمت
خدا کی شان یہ رتبہ گنہگارانِ اُمّت کا

شرف ہو جس کی نعلینِ قدم سے عرش اعظم کو
تعالیٰ اللہ پھر کیا پوچھنا ہے اُس کی رفعت کا

سیہ کارانِ اُمّت گردِ غم سے پاک ہو جائیں
ادھر بھی ایک جھلا بارشِ بارانِ رحمت کا

مدینے کی جدائی میں نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
نہ پوچھو حالِ دل کچھ دردمندانِ محبت کا

ابو بکر و عمر عثمان و حیدر بزمِ عالم میں
یہ چاروں ہیں ....نمونہ شہہ کی سیرت کا

اُنھیں کی ذات سے اپنی شفاعت کا سہارا ہے
وہی بس آسرا ہیں ہم گنہگارانِ اُمّت کا

سراپا دیکھ کے ایمان لائے دیکھنے والے
سراپا وہ سراپا آئینہ تھا حق کی قدرت کا

ہمیں اے لطفؔ پھر کیا خوف ہو بحرِ معاصی سے
ہمارے ہاتھ میں جب ہاتھ ہے پیرِ طریقت کا

☆☆☆

الٰہی واسطہ ہے قاسمِ انعامِ بے حد کا
جو آنکھیں دیں تو نظّارہ بھی ہو اس سبز گنبد کا

خوشا قسمت کہ ہوں خادم میں سبطینِ محمد کا
ملے گا قصر جنت میں مجھے لعل و زمرّد کا

نہ ہو تکلیف یا رب آفتاب روز محشر کی
ہمارا سر ہو اور سایہ ہو دامانِ محمد کا

ترے ابر کرم کے ایک چھینٹے کے ہوئے آخر
بہت کچھ خوف تھا اُمّت کو اپنے جرمِ بے حد کا

چھڑائے سیکڑوں بندے غمِ آفاتِ محشر سے
یہ حصہ تھا اسیرِ دامِ گیسوئے محمد کا

گنہگارو پڑے سوتے ہو کیا نقدِ شفاعت لو
وہ شور اُٹّھا شفیع المذنبیں کی آمد آمد کا

لیا بوسے پہ بوسا خود پلٹ کر اپنے ہونٹوں نے
بنے قندِ مکرر لب جو نام آیا محمد کا

ادائے دلبری، تسخیرِ دل، شانِ دلِ آویزی
یہ تو ادنیٰ سا اک لٹکا ہے گیسوئے محمد کا

الٰہی حشر میں یہ اپنی آنکھوں کی تمنا ہے
کہ ہو دیدار تیرا اور نظّارہ محمد کا

سرِ محشر کہیں اُٹھتے ہیں عاصی اُن کے قدموں سے
کہ مرمر کے یہ موقع ہاتھ آیا ہے خوشامد کا

توجہ خاکساروں کی طرف ہے ابرِ رحمت کی
زمیں کی سمت رُخ دیکھا ہے گیسوئے محمد کا

الٰہی ہم سیہ کارانِ اُمت بھی رہیں شامل
بڑھے جب سلسلہ فیضانِ گیسوئے محمد کا

خداوندا مسلمانوں کو موت آئے تو یوں آئے
کہ منہ کعبہ کو اور نظروں میں ہو روضہ محمد کا

زیارت ہند میں ہوتی ہے اُس موئے مبارک کی
کہاں تک سلسلہ پہنچا ہے گیسوئے محمد کا

پھریں وہ پتلیاں اے لطفؔ اب دیکھو خدا چاہے
تماشا دیکھتے ہیں طوفِ دیوانِ محمد کا

☆☆☆

کیا لطف دے رہا ہے زمانا بہار کا
گاتی ہے عندلیب ترانا بہار کا

میلادِ مصطفیٰ نے عجب گل کھلائے ہیں
گویا بنا ہوا ہے زمانا بہار کا

آتا ہے آج کوئی گل نو بہار حسن
کچھ کہہ رہا ہے رنگ رچانا بہار کا

میلاد مصطفیٰ کی زمانے میں دھوم ہے
آیا ہزار شکر زمانا بہار کا

دولہ بنا ہے کوئی گل نو بہار حسن
جوڑا بہار کا ہے شہانا بہار کا

اللہ اُن کا شانہ کشِ زلفِ روئے حسن
یٰسین کا ہے سین کہ شانا بہار کا

عالم میں جشن مولد حضرت کی دھوم ہے
تقدیر سے پھرا ہے زمانا بہار کا

محفل میں غنچۂ دل عشاق دیکھیے
دیکھا نہ ہو جو پھول کھلانا بہار کا

کل حشر میں کھلائے گی گل نعتِ مصطفیٰ
لائے گا رنگ آج یہ گانا بہار کا

جبریل کیا اُٹھاتے ہیں معراج کے لیے
گویا صبا ہلاتی ہے شانا بہار کا

زینت فزا ہوا وہ گلِ باغِ آرزو
یہ لطفؔ کہہ رہا ہے زمانہ بہار کا

☆☆☆

(ماہنامہ شمس العلوم بدایوں، ص:۲۲، ۱۳۳۳ھ)

مرغِ دل پروانہ ہے شمعِ رُخِ پرنور کا
داغِ فرقت پھول ہے شوخِ نہالِ طور کا

دل میں جلوہ ہے خیالِ عارضِ پرنور کا
ہے مرے تارِ نفس میں رنگ برقِ طور کا

شائق جام مئے کوثر نہ شیدا حور کا
دل ہے متوالا کس کی نرگس مخمور کا(۱)

دولتِ دید شہ والا سے ٹھنڈک پڑ گئی
آفتاب حشر چھایا بن گیا کافور کا

تیرے عاشق سر پہ رکھتے ہیں ترا نقش قدم
کیا کریں گے تاج لے کر قیصر و فغفور کا

مرحبا صل علیٰ شانِ جمالِ مصطفےٰ
رونقِ بازار کل صدقہ ہے ان کے نور کا

کاش یہ سینہ ہمارا جلوہ گاہ ناز ہو
دل بنے قبہ نبی کے روضۂ پُر نور کا(۲)

آسماں کرتا ہے ان کی آستاں بوسی تو کیا
یہ وہ در ہے جس پہ سر جھکتا ہے ہر مغرور کا(۳)

یا مدینے میں بلاؤ یا یہیں جلوہ دکھاؤ
کوئی ارماں تو نکالو اس دلِ مہجور کا

ہائے گھٹ گھٹ کر تمنا جی کی جی میں رہ گئی
خون ہو کر بہہ گیا ارماں دلِ مہجور کا

یادِ چشم شاہ میں ہر دم رواں رہتے ہیں اشک
ہے مری آنکھوں میں عالم دیدۂ ناسور کا

پھر اُسے عطر بہار خلد کی پروا نہیں
مل گیا جس کو پسینہ چہرۂ پُرنور کا

نزع میں اے دل خیال روئے انور چاہیے
چاندنی میں سہل کٹ جاتا ہے رستہ دور کا

لطف کیجئے لطف پر زادِ سفر کچھ بھی نہیں
سر پہ ہے بار گنہ چلنا ہے رستہ دور کا

☆☆☆

۱۔ ۲۔ ۳۔ یہ اشعار ماہنامہ شمس العلوم بدایوں، ج:۴/شمارہ۱ بابت محرم ۱۳۳۵ھ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔

جب وصف لکھا نورِ رُخِ شاہِ اُمم کا
خطِ خورشید ہوا مانند یہ مطلع مرا چم کا

ہے کون مددگار اسیرانِ ستم کا
دارین میں ہے ایک سہارا ترے دم کا

ہو قبر مری مہبط انوارِ الٰہی
پتھر ہو لحد پر جو ترے نقشِ قدم کا

کیا دور کرم ہے جو مرا اشک ندامت
ہو گوہر نایاب ترے بحرِ کرم کا

اے بےخودیٔ شوق تری بات تو تب ہے
سجدہ ہو بھری بزم میں اُس نقشِ قدم کا

خاک قدم پاک بھی پیاری ہے خدا کو
دیکھو نظرِ غور سے انداز قسم کا

محفوظ رہوں مہر قیامت کی تپش سے
سایا رہے سر پر ترے دامانِ کرم کا

دنیا میں کبھی کوئی عذاب آ نہیں سکتا
صدقہ ہے یہ اک رحمتِ عالم کے قدم کا

محشر میں گرفتارِ مصیبت ہیں گنہگار
کر رحم غریبوں پہ یہ ہے وقت کرم کا

دے گا تو وہی دے گا دوا، درد ہے جس کا
ہوگا تو وہیں ہوگا مداوا مرے غم کا

خالی نہیں پھرتا کوئی سرکار کرم سے
انکار طریقہ نہیں اربابِ کرم کا

آلودۂ عصیاں ہوں سراپا مگر اے لطفؔ
رحمت کی ہے اُمید سہارا ہے کرم کا

☆☆☆

دکھائے گا تماشہ اب کرشمہ اُن نگاہوں کا
درِ آقا پہ اک میلہ لگا ہے روسیاہوں کا

یہ عالم سے زیادہ ہیں وہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر
ٹھکانہ اُس کی رحمت کا نہ کچھ میرے گناہوں کا

گنہگاروں کو جب دیکھا ترے دامانِ رحمت میں
گناہوں کو تڑپ کر رہ گیا دل بے گناہوں کا

گنہگاروں کے دفتر میں رہی یہ آبرو اپنی
کہ میرا نام سرِ دفتر رہا عصیاں پناہوں کا

تری چشمِ کرم وہ چشمۂ دریائے رحمت ہے
کہ جس کے ایک چھینٹے میں دُھلا دفتر گناہوں کا

چھپائے اپنے دامن میں وہ نیچے دامنوں والا
الٰہی جب سرِ محشر کھلے دفتر گناہوں کا

اِسی کا ہے سہارا دو جہاں میں ہم غریبوں کو
یہی اک دم تمہارا داد رس ہے داد خواہوں کا

مریدی لا تخف جب آپ کا ارشادِ والا ہو
مریدوں کو بھلا کیا خوف ہو اپنے گناہوں کا

ہمیں دیکھا ہے زاہد تو نے لیکن یہ نہیں دیکھا
کہ ہے خضرِ طریقت کون ہم گم کردہ راہوں کا

کسی دن تو بر آئے گی تمنا قلبِ مضطر کی
کبھی تو رنگ لائے گا اثر عاشق کی آہوں کا

قیامت ہے کہ دل ہی دل میں رہ جاتی ہیں گھٹ گھٹ کر
کسی کا پاسِ خاطر پاسباں ہے میری راہوں کا

کوئی قدموں پہ لوٹا ہے کوئی دامن پہ مچلا ہے
سرِ محشر قیامت یہ تماشہ داد خواہوں کا

یہ وہ دربارِ شاہنشاہِ والا جاہ ہے اے لطفؔ
فقیروں کا جہاں کے مرتبہ ہے بادشاہوں کا

☆☆☆

میں کیا کہوں کریم سے بندے کو کیا ملا
سب کچھ ملا جو ایک شہہِ دوسرا ملا

پیرِ مغاں سے بیعتِ دستِ صبو ملی
دستِ صبو سے جامِ فنا و بقا ملا

روزِ حساب عیب معاصی کا پردہ پوش
ہم عاصیوں کو دامنِ آلِ عبا ملا

نکلی لحد میں دولتِ دیدارِ مصطفیٰ
ہم خاک میں ملے تو درِ مدّعا ملا

دیر و حرم میں شیخ و برہمن پھرا کیے
لیکن نہ آج تک کہیں تیرا پتہ ملا

ہم اُن کی راہِ شوق میں کچھ ایسے گم ہوئے
اُن کا پتہ ملا نہ ہمارا پتہ ملا

معطی اگر خدا ہے تو قاسم تمہاری ذات
سب کو تمہارے ہاتھ سے جو کچھ ملا ملا

دستِ خدا و قوّت بازوئے مصطفےٰ
مشکل میں ہم غریبوں کا مشکل کشا ملا

کیا کیا مصیبتوں سے ہوا موصل طریق
رہبر ہمیں تو خضر کا بھی رہنما ملا

مولا کی میرے ذرّہ نوازی تو دیکھیے
دل دُکھ گیا جو کوئی اسیر بلا ملا

اکرامِ نعتِ پاکِ حبیبِ خدا میں لطفؔ
فضلِ خدا ملا کرمِ مصطفیٰ ملا

☆☆☆

حسن اعزاز ہے محبوب خدا ہو جانا
کام بندہ کا نہیں اس سے سوا ہو جانا
گنبد سبز ہو عشرت کدۂ طائرِ روح
یوں رہائی ہو تو اچھا ہے رہا ہو جانا
یہی حالت ہے گناہوں کی تو دشوار نجات
یہی صورت ہے تو کیا پیشِ خدا ہو جانا
خاک ہو جاؤں گا میں عشق نبی میں جل کر
میں نے پروانوں سے سیکھا ہے فنا ہو جانا
ناتوانی کے سبب ہاتھ کا اُٹھنا ہے محال
تو ہی اے آہِ رسا دستِ دُعا ہو جانا
پیکر نور تھے وہ ورنہ کہیں ممکن ہے
سائے کا پیکرِ خاکی سے جدا ہو جانا
ہو کرم مجھ پہ بھی اے گوشۂ دامانِ رسول
کہ مسلم ہے ترا ابرِ سخا ہو جانا
مہر سے دل پہ وہ پھر دستِ تسلی رکھ دیں
پھر ذرا اے خلشِ درد سوا ہو جانا
کوئی بیمارِ غم ہجر کے دل سے پوچھے
حالتِ درد میں مایوسِ دوا ہو جانا
نگہِ لطفِ محمد کا کرشمہ دیکھو
حشر کے روز سبکدوش خطا ہو جانا

گنہگاروں کو جب آزاد کرنا
ہمیں بھی یا نبی تم یاد کرنا

کبھی رونا کبھی فریاد کرنا
یہی بس اے دلِ ناشاد کرنا

جو ہو جنت میں گھر آباد کرنا
نبی کی محفل میلاد کرنا(۱)

خوشی میں عید میلاد النبی کی
ادا رسم مبارک باد کرنا(۲)

لبِ جاں بخش کے اے جانِ عیسیٰ
مداوائے دلِ ناشاد کرنا

تری اُمّت کی کشتی ہے بھنور میں
وہ ڈوبی یا نبی امداد کرنا

کبھی دربارِ عالی میں خدارا
مرے مولیٰ مجھے بھی یاد کرنا

اسیرِ حلقۂ گیسو بنا کر
مجھے ہر قید سے آزاد کرنا

مشرف جب ہو معراجِ شفاعت
غلاموں کو بھی اپنے یاد کرنا

چھپانا دامنِ رحمت میں اپنے
گنہگاروں کو یوں آزاد کرنا

چلے ہیں قافلے والے عرب کو
ذرا اے جذبِ دل امداد کرنا

رہے رحمت یہاں کیا اور وہاں کیا
انھیں ہم عاصیوں کو یاد کرنا

یہ آنکھیں ہیں یہ سینہ ہے یہ دل ہے
جسے چاہو اُسے آباد کرنا

کبھی تو اپنے روضہ پر بلا کر
دلِ ناشاد کو بھی شاد کرنا

کلامِ لطفؔ پر اے چشمۂ فیض
کبھی چشمِ کرم سے صاد کرنا

☆☆☆

۱۔ ۲۔ یہ دونوں شعر ماہنامہ شمس العلوم بدایوں ربیع الاول، ۱۳۳۴ھ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔ (مرتب)

کس کا دل ہے جو ترے حسن پہ شیدا نہ ہوا
صورتِ آئینہ حیران تماشہ نہ ہوا

مجھ کو ہر وقت رہی فضلِ خدا پر امّید
میں کسی حال میں مایوسِ تمنّا نہ ہوا

اثرِ آہِ شرر بار نہ ہو کیا معنی
کچھ نہیں کھیل ہوا عشق کا سودا نہ ہوا

دشتِ وحشت میں بھٹکتے ہی پھرے دیوانے
زلفِ پُر پیچ ہوا جادۂ صحرا نہ ہوا

ہائے اس گردشِ تقدیر کے ہاتھوں اے لطفؔ
ہم تو سب کے ہوئے پر کوئی ہمارا نہ ہوا

☆☆☆

ہم نے جب بزم میں وہ چہرۂ زیبا دیکھا
شمع کو صورتِ زلفِ رُخِ لیلیٰ دیکھا

کیا کہیں حسنِ نبی دیکھ کے کیا کیا دیکھا
اُسی پردے میں خدائی کا تماشا دیکھا

ہر ادا فتنہ بر انداز نظر آتی ہے
اُن کو دیکھا تو قیامت کا نظارا دیکھا

تھی یہ حالت شبِ فرقت کے مریضِ غم نے
کبھی اُن کا تو کبھی موت کا رستہ دیکھا

کم نظر آتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے
جس کو دیکھا اُسے دنیا ہی کا بندہ دیکھا

مر کے فرقت میں کیا نامِ محبت زندہ
کشتۂ ناز میں اعجازِ مسیحا دیکھا

نگۂ ناز کے انداز نہ پوچھ اے ہمدم
کیا بتائے دلِ مشتاق جو دیکھا دیکھا

تجھ سے کیا اور حسینانِ جہاں سے نسبت
اور کا منہ بھی ہے، دیکھا ترا تلوا دیکھا

دیکھنے والوں کے انداز تو دیکھے کوئی
ماہِ کامل کبھی دیکھا، کبھی چہرا دیکھا

کیا کہوں بے خودیٔ شوق کا عالم اے لطفؔ
کچھ نہ سوچا جو کسی کا رُخِ زیبا دیکھا

☆☆☆

معراج کا اچھا یہ بہانا نکل آیا
کیا بخششِ اُمّت کا وسیلہ نکل آیا

رحمت نے تری جس کو چھپایا اُسے کیا ڈر
جو حشر میں چھپ کر نکل آیا نکل آیا

مرقد میں جو چمکی مرے سرکار کی تصویر
دل بول اُٹھا صبح کا تارا نکل آیا

دیکھیں جو گنہگاروں پہ مولیٰ کی نگاہیں
منہ زہد و ریاضت کا ذرا سا نکل آیا

معراج میں جو چمکا کسی کا رُخِ پُرنور
اک شور اُٹھا چاند عرب کا نکل آیا

جنت میں پہنچ کر یہ پکارا ترا وحشی
میں آج کہاں بارِ خدایا نکل آیا

تھی جوشِ جنوں میں ترے وحشی کی یہ حالت
نشتر کے لگاتے ہی کلیجہ نکل آیا

بخشش کا وسیلہ ہوئی نعتِ شہِ والا
باتوں میں یہاں کام ہمارا نکل آیا

یاد آئے مجھے خارِ رہِ طیبہ کبھی لطفؔ
آنکھوں سے مری خونِ تمنّا نکل آیا

☆☆☆

زمیں سے قدم عرش پر لے گیا
فرشتوں سے بازی بشر لے گیا

مرا دل وہ تیرِ نظر لے گیا
جگر لینے والا جگر لے گیا

کہوں کیا کدھر سے کدھر لے گیا
جدھر لے گیا راہبر لے گیا

چھپایا بہت ہم نے پہلو میں دل
کوئی لینے والا مگر لے گیا

کہاں ہم کہاں وہ دیارِ حبیب
مگر شوقِ دل کھینچ کر لے گیا

براق فلک سیر معراج میں
اُنھیں مثلِ پیکِ نظر لے گیا

نہ پوچھو کٹی کس طرح راہِ عشق
گئے ہم جدھر راہبر لے گیا

محبت میں اظہارِ ترکِ ادب
کہیں فوق آداب بر لے گیا

یہ ہم ناتواں اور یہ راہِ صراط
وہ لے جانے والا مگر لے گیا

یہ اُن کا کرم تھا یہ اُن کا طفیل
جو دنیا سے ایمان پر لے گیا

وسیلہ تھا اُن کا تو خود دوڑ کر
دعاؤں کو اپنی اثر لے گیا

ہوا کب کوئی اور محبوبِ حق
یہ حصہ تو حسنِ بشر لے گیا

ہوئی اب شفاعت کہ محبوبِ حق
وہ اے لطفؔ سجدہ میں سر لے گیا

☆☆☆

بخشے گئے گنہگار آپ کا پیار دیکھ کر
رحمتِ حق ہوئی نثار اُن کو نثار دیکھ کر

خلد میں کیا لگے گا جی نقش و نگار دیکھ کر
آئے ہیں ہم مدینہ کے باغ و بہار دیکھ کر

پاسِ ادب ضرور ہے شہ کا مزار دیکھ کر
آہ وفغاں کہاں کہاں اے دلِ زار دیکھ کر

سبزۂ باغِ خلد بھی اپنی نظر میں خار ہے
گنبدِ سبز رنگ کا رنگِ بہار دیکھ کر

واہ رے آپ کا کرم کر کے گنہ جو روئے ہم
پھر اُنھیں رحم آ گیا حالتِ زار دیکھ کر

زلف و رخِ نبی کی یاد ہے شبِ قدر و روزِ عید
جیتے ہیں ہم تو بس یہی لیل و نہار دیکھ کر

جوشِ جنوں میں لے اڑی اس کو تو اب ہوائے شوق
دل تو مدینے کو چلا ابرِ بہار دیکھ کر

طاعتِ حق تھی رات بھر اُس کا ہے آج تک اثر
سیکڑوں دل فگار ہیں پائے فگار دیکھ کر

اُن کی عطا ہے بے حساب اُن کا کرم ہے بیشمار
حال کھلے گا خلق پر روز شمار دیکھ کر

آپ کے خلق کی ثنا آپ کا حسنِ دل رُبا
سن کے ہوئے ہزار ہا لاکھوں نثار دیکھ کر

آپ کا نام جب لیا مقصدِ دل عطا ہوا
ہم نے یہ تجربہ کیا سیکڑوں بار دیکھ کر

تابِ نظارہ ہے کمال شوقِ جمالِ یار کا
آنکھ کہیں جھپکتی ہے جلوۂ یار دیکھ کر

جلوۂ روئے مصطفیٰ ہے شبِ ماہتاب میں
دیکھتے ہیں بہارِ حسن حسنِ بہار دیکھ کر

شافعِ حشر کے حضور شرم سے سرنگوں ہیں ہم
اپنے گناہِ بے شمار روزِ شمار دیکھ کر

جلوۂ حسنِ مصطفیٰ پیشِ نگاہِ لطفؔ ہو
گلشنِ خلد کو رواں ہو یہ بہار دیکھ کر

☆☆☆

کیوں نہ غش کھاؤں جمالِ مصطفیٰ کو دیکھ کر
وہ شبِ معراج میں آئے خدا کو دیکھ کر

تم ذرا ہنس دو مریضِ لا دوا کو دیکھ کر
جی اُٹھیں گے ہم لبِ معجز نما کو دیکھ کر

لائے سب ایماں رسولِ کبریا کو دیکھ کر
کفر باطل ہو گیا اُس رہنما کو دیکھ کر

گر پڑے تھے کھا کے غش موسیٰ جو کوہِ طور پر
پردۂ قدرت میں نورِ مصطفیٰ کو دیکھ کر

کون سی خوبی ہے جو تجھ میں نہیں محبوبِ حق
بت مسلماں ہو گئے تیری ادا کو دیکھ کر

مظہرِ ذاتِ خدا کہیے نہ کیونکر آپ کو
شانِ حق یاد آئی روئے مصطفیٰ کو دیکھ کر

یاد آتی ہے گلیم رحمۃ اللعالمیں
مست ہو جاتا ہوں میں کالی گھٹا کو دیکھ کر

کیسی حجت کر رہے تھے قبر میں منکر نکیر
چل دیئے چپ چاپ روئے مصطفیٰ کو دیکھ کر

بے وضو اے لطف میں نامِ نبی لیتا نہیں
....

☆☆☆

جان جائے خندۂ دنداں نما کو دیکھ کر
جب قضا آئے تو آئے اس ادا کو دیکھ کر

ناخدائے کشتیٔ دریائے عرفاں ہیں حضور
ہم خدا کو دیکھتے ہیں ناخدا کو دیکھ کر

بڑھتے ہیں کیا کیا مرے دستِ طلب کے حوصلے
تیری نیچی دامنوں والی قبا کو دیکھ کر

اُن کی آنکھوں میں لگا ہے کحل مازاغ البصر
یہ وہ آنکھیں ہیں نہ جھپکیں جو خدا کو دیکھ کر

خلد میں واعظ تری حوریں مبارک ہوں تجھے
ہم کسے دیکھیں گے محبوبِ خدا کو دیکھ کر

سر کے بل جو چلتے ہیں دیوانے راہِ شوق میں
سجدہ کرتے ہیں کسی کے نقشِ پا کو دیکھ کر

اپنی شرحِ آرزو سے ہے بس اتنی آرزو
تم بڑھا دو ہاتھ طولِ مدّعا کو دیکھ کر

جب تصور میں یہ حالت ہے دلِ بے تاب کی
کیا کرے گا حشر میں خیرالوریٰ کو دیکھ کر

پائے گا تاجِ شفاعت گوہر حسنِ قبول
سر بہ سجدہ شافعِ روزِ جزا کو دیکھ کر

کیا عجب محشر میں ہو فرمائشِ اشعار نعت
لطف مدّاحِ جنابِ مصطفیٰ کو دیکھ کر

☆☆☆

حق کے پیارے عرش کے تارے صلی اللہ علیہ وسلم
آمنہ بی کے راج دُلارے صلی اللہ علیہ وسلم

پہنچے فلک پر جب شہہ والا دیکھ کے اُن کا قامتِ والا
حور و ملائک سب یہ پکارے صلی اللہ علیہ وسلم

واہ ری شانِ سیّد والا منہ سے اُن کا نام جو نکلا
بن گئے بگڑے کام ہمارے صلی اللہ علیہ وسلم

ڈوب کے نکلا مہرِ تاباں شق ہوا فوراً ماہِ درخشاں
اللہ اللہ ان کے اشارے صلی اللہ علیہ وسلم

لاکھ چڑھے سر مہرِ قیامت لیکن کچھ نہیں اُس کو دہشت
جس نے کیے اُس رُخ کے نظارے صلی اللہ علیہ وسلم

سورۂ نور ہے یا وہ صورت دید ہے یا قرآں کی تلاوت
عارضِ انور ہیں یا پارے صلی اللہ علیہ وسلم

لطفؔ کے دل کی ہے یہ تمنا دیکھیے اُن کا جلوۂ زیبا
نزع میں بے خود ہو کے پکارے صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆

طاقتِ ضبطِ غم نہیں دردِ جگر کو کیا کروں
ہجر میں اشک بار ہے دیدۂ تر کو کیا کروں

فرقتِ شہہ میں چارہ گر دردِ جگر کو کیا کروں
دید کی تاب ہی نہیں اپنی نظر کو کیا کروں

حور و قصور سے غرض اُلفت مصطفےٰ میں کیا
لذتِ دل کو کیا کروں ذوقِ نظر کو کیا کروں

دستِ دُعا بلند ہے باب قبول بند ہے
بس یہی اپنا کام تھا اب میں دعا کو کیا کروں

وحشتِ دل تو کھینچ لائی دشت میں مجھے مگر
پاؤں کہاں وہ سنگ در شورشِ سر کو کیا کروں

کچھ بھی سہی جناب لطفؔ اب تو یہ ہے دم کے ساتھ
آتشِ دل کو کیا کروں دردِ جگر کو کیا کروں

☆☆☆

دل میں یادِ رُخِ شاہِ دو جہاں رکھتا ہوں
خورشید میں ذرّہ ہوں خورشید نہاں رکھتا ہوں

دل میں داغِ شہہِ کون و مکاں رکھتا ہوں
سینہ میں دولتِ دارین نہاں رکھتا ہوں

اپنے ہاتھوں سے پلادے کبھی اپنی جھوٹی
اتنی اُمّید بس اے پیرِ مغاں رکھتا ہوں

دستگیری ہے تری ایک سہارا اپنا
ورنہ دبتی ہے زمیں پاؤں جہاں رکھتا ہوں

موم تھا جس کے لیے سنگ کرم سے اُن کے
دل پگھلتے ہیں وہ انداز بیاں رکھتا ہوں

نعت گوئی سے کٹے جاتے ہیں جسمِ حاسد
تیغ رکھتا ہوں الٰہی کہ زباں رکھتا ہوں

رنگِ رُخ بن کے مدینے میں جو اُڑ کے پہنچوں
کیا کہوں قوت پرواز کہاں رکھتا ہوں

کوئی عابد نہیں زاہد نہیں مرتاض نہیں
اک وسیلہ ترے محبوب کا ہاں رکھتا ہوں

بندۂ عشق ہوں راضی بہ رضائے محبوب
بیم دوزخ نہ میں اُمید جناں رکھتا ہوں

حسرتِ دید میں تھمتا نہیں رونا اپنا
پا شکستہ ہوں مگر اشک رواں رکھتا ہوں

اپنی بخشش کا نہیں اور ذریعہ کوئی
ہاں! اُمّیدِ کرم شاہِ زماں رکھتا ہوں

قادری ہوں خطرِ فتنۂ محشر کیسا
تیری قدرت ہے میں اُمید اماں رکھتا ہوں

حضرتِ مستؔ کے صدقہ میں ہے کوثر اپنا
سندِ سلسلۂ پیرِ مغاں رکھتا ہوں

کیا کروں نذر خیالِ شہہ والا اے لطفؔ
دل جو رکھتا ہوں تو بے تاب وتواں رکھتا ہوں

☆☆☆

دیکھی جو زلف روئے رسالت مآب میں
وہ بُو ہے مشک میں نہ وہ نکہت گلاب میں

ماہِ عرب کے ساتھ ہیں روزِ حساب میں
گویا ٹہل رہے ہیں شبِ ماہتاب میں

واں سیکڑوں گناہ ہمارے حساب میں
یا ایک تیرا نام ہے سب کے جواب میں

کیا پوچھنا ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں
چاہیں اگر تو رند نہائیں شراب میں

دل سے درود پڑھ کے جہاں آنکھ بند کی
پہنچے وہیں حضور رسالت مآب میں

دنیا میں آکے بارِ گنہ ساتھ لے چلے
بس اور کیا دھرا تھا جہانِ خراب میں

مولیٰ ہماری یاد میں سوئے نہ رات بھر
ہم آنکھ کھول کر رہے مصروف خواب میں

اک تیری یاد باعثِ تسکین قلب ہے
کوئی شریکِ غم نہیں حالِ خراب میں

ہم عاصیوں کی یاد بھی ہے کتنی دلنشیں
گھر کر گئی ہے قلبِ رسالت مآب میں

جس پر خدا و خلقِ خدا سب ہیں شیفتہ
وہ حسن ہے جنابِ رسالت مآب میں

پاؤں جو وہ قدم تو لگے ہاتھ دستِ غیب
جاگے نصیب گر کوئی آ جائے خواب میں

پرتو نبی کی شانِ جمال و جلال کا
کچھ ماہتاب میں ہے تو کچھ آفتاب میں

دیکھے جو اُٹھ کے قبر میں چہرہ حضور کا
اُس کو جلائے کب ہے یہ تاب آفتاب میں

دو دن کی زندگی ہے گزر جائے اس طرح
ہے اپنی آرزو شہہ والا جناب میں

بیٹھوں اگر تو بیٹھ کے یادِ خدا کروں
اُٹھیں جو اپنے پاؤں تو راہِ ثواب میں

آسان ہو سوالِ نکیرین یا خدا
قاصر رہے زبان نہ اُن کے جواب میں

پرسش ہوئی جو ہم سے گناہوں کی روزِ حشر — نعتِ نبی کے شعر پڑھیں گے جواب میں

اتنا رہے خیال دلِ بے قرارِ شوق — دامن نہ چھوٹ جائے کہیں اضطراب میں

شامل ہے قطرۂ عرقِ روئے مصطفٰے — آئی کہاں سے ورنہ یہ خوشبو گلاب میں

ہم خاکسار دُرِ نجف ڈھونڈ کر رہے — چھانی وہ خاک عشقِ شہہ بوٗ تراب میں

بحرِ کرم نے سیکڑوں دفتر بہا دیئے — ہے ایک اپنی فردِ گنہ کس حساب میں

ہم سے گنہگار چھپے تو کہاں چھپے — دامانِ رحمتِ شہہ والا جناب میں

اے لطفؔ اپنی خاک نشینی سے ہے اُمید
مشہور ہوں گے سلسلۂ بوٗ تراب میں

☆☆☆

کیا کہیں حال زارِ دل ہجر شہہ حجاز میں
طول ہے روز حشر کا اپنی شبِ دراز میں
اُف رے ادب کہ مرتضیٰ دیر کریں نماز میں
فرق مگر نہ آنے پائے آپ کے خواب ناز میں
واہ رے بخت کا عروج جب گئے آپ لامکاں
پہنچے ہیں ہم نیاز مند بارگہۂ نیاز میں
اُن سے نماز سیکھیے اُن کی نماز ہے نماز
پاؤں سے تیر کھنچ گیا محو رہے نماز میں
سیکڑوں سیر کر دیئے آپ نے ایک جام سے
چشمۂ فیض تھا نہاں آپ کے دست ناز میں
حشر میں نذر کے لیے اور تو کچھ نہیں مگر
لائے ہیں تحفہ نیاز در گہۂ بے نیاز میں
ہجر کی رات سخت تھی پر ہمیں سہل ہو گئی
زلفِ رسا کا رنگ تھا اپنی شبِ دراز میں
سجدۂ حمد روزِ حشر بہرِ شفاعت آپ کا
شان ہے حسن و عشق کی ناز بھی ہے نیاز میں
جلتے ہیں ہم بھی ساری رات پر یہ نصیب کی ہے بات
شمع جو باریاب ہے آپ کی بزمِ ناز میں
لطفِ عمیم دیکھیے خلقِ عظیم دیکھیے
کون سی خوبیاں نہیں بادشاہِ حجاز میں
حضرت ولیس کی طرح لطف گرچہ ہے جدا
.... سے بارہا آپ کی بزم ناز میں

جو نصیب ہو تو شمار ہو یہ نیاز مایۂ ناز میں
کہ لگی ہو خاکِ درِ حضور مری جبینِ نیاز میں

یہ ہے اپنا حالِ دلِ حزیں غمِ عشقِ شاہِ حجاز میں
کہ برنگِ شمع تمام عمر کٹی ہے سوز و گداز میں

جو ہر ایک دل میں اثر کرے وہ کلامِ شاہِ انام ہے
کہ جسے عظیم خدا کہے وہ ہے خُلق بندہ نواز میں

کوئی حسن و عشق چھپائے کیا کہ ہے ایک دونوں کا خاصّہ
وہ ہے خود فروشِ خدا نما وہ نیاز میں تو یہ ناز میں

کہیں لعل ہے تو کہیں گُہر کہیں شمس ہے تو کہیں قمر
یہ اُسی کا حسن ہے جلوہ گر جو نہاں ہے پردۂ راز میں

جو بشر ہے شانِ بشر سے دور تمام خلق ہے جس کا نور
یہ وہی حقیقت معتبر ہے عیاں لباسِ مجاز میں

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

ترا وصفِ حسن ہو کیا ادا تری ہر ادا ہے وہ جاں فزا
کہ ہزاروں غنچۂ دل کھلے ترے اک تبسمِ ناز میں

دمِ حمد سجدۂ مصطفیٰ یہ نیاز ہے کہ یہ ناز ہے
پئے اذنِ بخششِ عاصیاں سرِ عجز خم ہے نیاز میں

تری ذات کا تو ہے ذکر کیا ترے ذکر کا ہے یہ مرتبہ
کہ بجائے مہر قبولِ حق ہے درود تجھ پہ نماز میں

تری ذات شانِ کمالِ رب ترا حسن ہے وہ مہِ عرب
کہ سوئی سی شئے ملی وقتِ شب ترے اک تبسمِ ناز میں

اُنھیں کوئی رنج وتعب نہیں وہ ہر اک بلا سے الگ رہے
کہ جو سب کو چھوڑ کے آ گئے ترے دامِ زلفِ دراز میں

درِ مصطفیٰ پہ جو سر رکھا تو ندا دی ہاتفِ وقت نے
ترے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں

وہ ہے کون جس کے اشارہ پہ ہوا کعبہ قبلۂ انس و جاں
جو پسند ربّ علیٰ ہوئی وہ ادا تھی کس کی نماز میں

مجھے کام کیا تھا رکوع سے مجھے ہوش کب تھا سجود کا
ترے نقشِ پا کی تلاش تھی جو جھکا ہوا تھا نماز میں

ترے لطف کی ہے یہ آرزو کہ نہ جائے حشر میں آبرو
مرے پردہ پوش چھپا لے تو اسے اپنے دامنِ ناز میں

☆☆☆

کمالِ عشق ہو پھر کیا رہے یہ سینے میں
مدینہ دل میں رہے دل رہے مدینے میں

یہ سینہ ہے کہ ہے اسرارِ حق کا گنجینہ
بھرا ہے علمِ لدنی تمہارے سینے میں

خجل ہو عطرِ بہارِ گلِ ریاضِ جناں
وہ بوئے مست ہے سرکار کے پسینے میں

یہ ضبطِ نالۂ پیہم سے اپنی حالت ہے
کہ برچھیاں سی چبھوتا ہے کوئی سینے میں

ہمارے بعد پڑے گا یہ تفرقہ باہم
کہ روح خلد کو پہنچے گی دل مدینے میں

کوئی زمانہ میں دل سا بھی بے وفا ہوگا
کہ ہم کو چھوڑ کے تنہا رہا مدینے میں

خدا وہ دن بھی دکھائے کہیں جو خوش ہو کر
ہزار شکر کہ ہم آ گئے مدینے میں

رجب کو اور یہ قسمت سے چار چاند لگے
ہوئی حضور کو معراج اس مہینے میں

اُمیدوارِ نگاہ کرم ہوں مدت سے
حضور اب تو بلا لیجیے مدینے میں

خدا گواہ یہ ہر دل عزیز تھے وہ قدم
کہ پتھروں نے جگہ دی ہے اپنے سینے میں

ہمارا سینہ بھی اک نعت کا خزینہ ہے
ہزار گوہرِ مضموں بھرے ہیں سینے میں

غمِ فراق سے اے لطفؔ ہے یہ حال اپنا
کہ اب تو لطفؔ نہ مرنے میں ہے نہ جینے میں

☆☆☆

وہ رشکِ چمن تربت فزا ہے اپنے سینے میں
کہ ہے بوئے گلِ باغِ جناں جس کے پسینے میں
ہمیں عطرِ بہارِ خلد حوریں کیا دکھاتی ہیں
بسے ہیں اپنے کپڑے شاہِ والا کے پسینے میں
غمِ فرقت میں مرتے ہیں مزا کیا ایسے جینے کا
نہ یہ مرنا ہے مرنے میں نہ یہ جینا ہے جینے میں
کہاں کے قطرۂ شبنم یہ گل فرطِ خجالت سے
کسی کا روئے رنگیں دیکھ کر تر ہیں پسینے میں

....

رہے کعبہ کے کعبہ میں مدینے کے مدینے میں
چھپاؤ اپنے دامن میں پلاؤ اپنے ہاتھوں سے
مزا جب آئے جامِ بادۂ کوثر کے پینے میں
یہ کیا ممکن کہ اُس کا ساحل مقصد نہ ہاتھ آئے
لکھا ہو آپ کا اسمِ گرامی جس سفینے میں
اُدھر لطفِ تصور ہے اِدھر شوقِ زیارت ہے
مدینہ ہے مِرے دل میں مرا دل ہے مدینے میں
دماغِ لطفِ مدّاحِ نبی بھی اک خزینہ تھا
ہزاروں گوہرِ مضموں بھرے تھے اس خزینے میں

☆☆☆

داغ لالہ میں نہیں یا مہہِ کامل میں نہیں
ہاں نہیں ہے تو فقط ایک ترے دل میں نہیں

بوئے اُلفت ہی نہ ہو جس میں وہ انساں کیسا
خاک پھر ہے وہ دل درد ہی جس دل میں نہیں

پاسِ آداب سے کچھ کہہ نہیں سکتا کوئی
ورنہ وہ کون سا ارمان ہے جو دل میں نہیں

میرے نالوں کی رسائی ہے فلک تک لیکن
میری قسمت کی رسائی تری محفل میں نہیں

حسن وخوبی جو ہے ان پھول سے رخساروں میں
مہر تاباں میں نہیں وہ مہہِ کامل میں نہیں

آج کیا چیز کھٹکتی ہے مرے پہلو میں
نوکِ نشتر میں نہیں آبلۂ دل میں نہیں

دیکھنا بعد ہمارے یہ کہیں گے احباب
لطف محفل میں نہیں لطفؔ جو محفل میں نہیں

☆☆☆

نہ آفتاب نہ ہم ماہتاب مانگتے ہیں
لحد میں عشق شہہِ بو تراب مانگتے ہیں

فقیرِ میکدہ ہیں تجھ کو کیا غرض واعظ
ہم اپنے پیرِ مغاں سے شراب مانگتے ہیں

خدا ہر ایک کو دے اپنے عشق کی دولت
یہ ہے وہ چیز کہ سب شیخ و شاب مانگتے ہیں

اگر ہو اذن تو میں اُن سے کچھ سوال کروں
لحد میں مجھ سے فرشتے حساب مانگتے ہیں

حساب کر کے جو بخشش ہوئی تو کیا یا رب
کہ ہم جو مانگتے ہیں بے حساب مانگتے ہیں

کوئی طلب نہیں دنیا میں خاکساروں کو
بس ایک خاکِ رہِ بو تراب مانگتے ہیں

عطا تو دیکھیے ہم پر کہ اپنی اُمت کو
خدا سے شاہِ رسالت مآب مانگتے ہیں

نہیں غزل میں کوئی شعر لطف سے خالی
جنابِ لطفؔ عبث انتخاب مانگتے ہیں

دکھائے گی مزا یہ نعت خوانی دیکھتے جاؤ
سندِ بخشش کی ہے محشر میں لانی دیکھتے جاؤ

غمِ فرقت میں اشکوں کی روانی دیکھتے جاؤ
ابھی ہونا ہے اونچا سر سے پانی دیکھتے جاؤ

کوئی فرقت کا مارا مر رہا ہے دردِ فرقت سے
کسی بے کس کا حالِ ناتوانی دیکھتے جاؤ

ادھر بھی بسملِ تیغ نگاہِ ناز ہے کوئی
ذرا پھر کر برائے مہربانی دیکھتے جاؤ

لبِ اظہار حالِ غم............ اپنی خاموشی
یہ اندازِ بیانِ بے زبانی دیکھتے جاؤ

حجر کلمہ پڑھیں اُن کا شجر آ کر شہادت دیں
لبِ اعجاز کی معجز بیانی دیکھتے جاؤ

کہاں کی لن ترانی دیکھنا کیا کیا دکھاتا ہے
فروغِ حسنِ شمعِ من رآنی دیکھتے جاؤ

تمہاری یاد کو دل میں چھپا کر ہم نے رکھا ہے
ذرا تم بھی تو یہ اپنی نشانی دیکھتے جاؤ

بہیں گے جرمِ عصیاں قطرۂ اشکِ ندامت سے
دکھائے گا یہ دریا کی روانی دیکھتے جاؤ

ابھی دامن میں آئے ہو گنہگارو ابھی کیا ہے
ابھی عزّت فزائی، قدردانی دیکھتے جاؤ

پلایا ہے پیالا آج تو مرشد نے کل ہم کو
پلائے گا یہی کوثر کا پانی دیکھتے جاؤ

بچائیں گے یہی کل گرمئ خورشیدِ محشر سے
کرے گا ابرِ رحمت سائبانی دیکھتے جاؤ

جنابِ لطفؔ وصفِ حسنِ خالِ حضرت میں
دکھاتے ہیں کمالِ نکتہ دانی دیکھتے جاؤ

☆☆☆

تو وہ مہہ خوبی ہے اے جلوۂ جانانہ ہر گل ترا بلبل ہے ہر شمع ہے پروانہ
پھرتی ہے نگاہوں میں وہ نرگسِ مستانہ اپنا یہی ساغر ہے اپنا یہی پیمانہ
مستی میں بھی سر اپنا ساقی کے قدم پر ہو اتنا تو کرم کرنا اے لغزشِ مستانہ
یہ چشمِ حقیقت ہے کیا دیکھے سوا تیرے سجدے سے ہمیں مطلب کعبہ ہو کہ بت خانہ
یارب اُنھیں ہاتھوں سے پیتے رہیں متوالے یا رب یہی ساقی ہو یا رب یہی میخانہ
تقدیر پلٹتی ہے ابرو کے اشارے سے وہ آج ہوا کعبہ کل تک تھا جو بت خانہ
آخر کوئی حد بھی ہو سوزِ غمِ فرقت کی کب تک یہ ترا پردا اے جلوۂ جانانہ
اے گیسوئے عنبر بو سر میں ترا سودا ہے آنکھیں تری جویا ہیں دل ہے ترا دیوانہ
قسمت ہے تو اُس کی ہے آنکھیں ہیں تو اُس کی ہیں جس نے تجھے دیکھا ہے اے جلوۂ جانانہ
لوٹا تو اُسی در پہ پکڑا تو یہی دامن ہشیار ہے مطلب کا کہنے کو ہے دیوانہ
جو تیرے سوا دل میں رکھتے ہیں خیالِ غیر کعبہ میں لگاتے ہیں سنگِ درِ بت خانہ
جب دل میں وہ آتے ہیں تعظیم کو اٹھتا ہے دیوانہ نہیں اپنا دردِ دل دیوانہ

یہ اپنی سیہ کاری یہ اپنی گنہگاری
اس پر یہ تری رحمت یہ لطفِ کریمانہ

☆☆☆

وہ دل ہے کون سا جس میں نہ ہو اُلفت محمد کی
نظر آتی ہے ہر آئینہ میں صورت محمد کی

بیاں ہو کس زباں سے خوبی و خصلت محمد کی
دعا دی دشمنوں کو بھی یہ تھی عادت محمد کی

گہہ جلوہ دکھایا طور پر گہہ لامکاں پہنچے
وہ تھی جلوت محمد کی یہ تھی خلوت محمد کی

یہ مکہ اور مدینہ کیا ہیں دو گھر ہیں محمد کے
یہاں مولد محمد کا وہاں تربت محمد کی

کسی پہلو قرار آئے دلِ مضطر کو پہلو میں
کسی صورت نظر آئے مجھے صورت محمد کی

مزہ آئے اگر میں اُن کے قدموں پر مچل جاؤں
نظر آئے جو مرقد میں مجھے صورت محمد کی

نہ باغِ خلد سے مطلب نہ حوروں کے نظارے سے
دلِ دیوانہ ہو محشر میں اور صورت محمد کی

یہاں دل میں ملال آیا وہاں چہرے سے ظاہر تھا
ہمارے دل کا آئینہ ہے یا صورت محمد کی

زمیں پر رَبِّ ھب لی اُمّتی کہتے ہوئے آئے
زہے تقدیرِ اُمّت کی زہے رحمت محمد کی

نہ بھولے وقتِ پیدائش نہ بھولے قبر میں ہم کو
یہ ہے رحمت محمد کی یہ ہے رحمت محمد کی

الٰہی یہ تمنا ہے کہ دیکھوں اپنی آنکھوں سے
کبھی روضہ محمد کا کبھی تربت محمد کی

ریاضت کام آئے گی نہ طاقت کام آئے گی
مگر ہاں کام آئے گی تو بس الفت محمد کی

نہ پوچھو عاشقوں سے فرق کعبہ اور مدینہ کا
وہاں جلوہ خدا کا ہے یہاں خلوت محمد کی

خدا وندا دیارِ ہند سے طیبہ کو پہنچا دے
دکھا دے لطفؔ کو بھی اب کہیں صورت محمد کی

☆☆☆

.... آرزو نکلی دلِ صد چاک کی

کچھ نہیں روزِ جزا کا غم ہمیں جب شفاعت ہے شہہ لولاک کی

آدمی کس بات پر مغرور ہو کیا حقیقت ایک مشتِ خاک کی

پائے بوسیٔ نبی حاصل ہوئی کام آئی خاکساری خاک کی

اس طرف بھی گوشۂ چشم کرم غیر حالت ہے دلِ نمناک کی

سچ یہ ہے شانِ جمالِ مصطفےٰ ایک قدرت ہے خدائے پاک کی

طور پر کیا تھا جو طیبہ میں نہیں اک جھلک تھی اُس جمالِ پاک کی

ہم سے عصیاں پار ہو خیرالامم سب پہ رحمت ہے شہہِ لولاک کی

حشر میں بارانِ رحمت بن گئی اشک باری دیدۂ نمناک کی

یا الٰہی چشم و دل سے لطفؔ کو
ہو زیارت سیّدِ لولاک کی

☆☆☆

کون سنتا ہے غمِ عشق کے بیماروں کی
ہائے تقدیر محبت کے گرفتاروں کی

دیر سے ہم یہ فقیرانہ صدا دیتے ہیں
بھیک دے خیر ہو ساقی ترے میخواروں کی

مرضِ عشق وہ آفت ہے کہ اللہ بچائے
شکل دیکھی نہیں جاتی ترے بیماروں کی

اے تری جان کے صدقے یہ ہماری قسمت
ہو جگہ دامنِ رحمت میں گنہگاروں کی

اب کوئی دم کے یہ مہماں ہیں مریضِ الفت
قابلِ رحم ہے حالت ترے بیماروں کی

تو نے جس طرح سے توڑا مرا دل اے واعظ
یوں ہی توبہ ابھی توڑی گئی میخواروں کی

کچھ سہی آپ کی اُمّت کے گنہگار ہیں ہم
آپ کے ہاتھ ہے اب لاج گنہگاروں کی

بابِ توبہ کی طرح وا درِ میخانہ ہے
بھیڑ کی بھیڑ لگی رہتی ہے میخواروں کی

بات تو تب ہے کہ اے شافعِ روزِ محشر
بات رہ جائے قیامت میں گنہگاروں کی

لطفِ صحرائے جنوں پوچھتے کیا ہو اے لطفؔ
پاؤں میں چھالے ہیں چھالوں میں خلش خاروں کی

☆☆☆

شرم سے جب وہ نگاہِ ناز اُٹھ کر رہ گئی
ٹوٹ کر دل میں ہمارے نوکِ نشتر رہ گئی

ہم گنہگاروں کی بخشش صرف تیرا کام تھا
بات والے بات تیری روزِ محشر رہ گئی

گردشِ تقدیر سے ساقی نے پردہ کر لیا
مے کشوں کو آرزوئے دورِ ساغر رہ گئی

اللہ اللہ کیا قیامت تھا وہ حسنِ دل فریب
دیکھتے ہی اُن کو حیراں بزمِ محشر رہ گئی

ہم تو بے دیکھے ہی مرتے ہیں مگر حیرت یہ ہے
جس نے دیکھا تم کو اُس کی جان کیونکر رہ گئی

تیرے دم سے سیکڑوں تقدیر والے ہو گئے
میرے مولیٰ میری قسمت کیوں بگڑ کر رہ گئی

میرے یوسف تیرے حسنِ بے بہا کے سامنے
سرد ہو کر گرمیٔ بازارِ محشر رہ گئی

جاتے جاتے وحشیٔ اُلفت کا سودا رہ گیا
آتے آتے نکہتِ زلفِ معنبر رہ گئی

آج کیوں گھبرا رہی ہے جانِ مضطر خیر ہے
کیا کوئی حسرت ہجومِ غم میں گھٹ کر رہ گئی

لطفؔ نے حصہ بنایا چشمِ لطفِ خاص سے
اس کی حسرت رہ گئی اے بندہ پرور رہ گئی

☆☆☆

تمنا ہے یہ شاہِ دوسرا سے
خطا بخشیں مری اپنی عطا سے

نکالا جس نے دریائے بلا سے
ملا وہ ناخدا ہم کو خدا سے

ہوئے کشتہ لب معجز نما سے
پیا جام فنا آب بقا سے(۱)

وہ شئے ہیں ہم گنہگارانِ اُمت
محمد نے جسے مانگا خدا سے

لبِ کوثر پئیں گے جام پر جام
مئے وصلِ شہہ والا کے پیاسے

ہوئے ہیں سیکڑوں کافر مسلماں
رُخِ پرنور سے زلفِ دوتا سے

وسیلہ ہو جو نامِ مصطفےٰ کا
اثر خود آ کے ملتا ہے دُعا سے

دمِ نظّارہ ان آنکھوں کا عالم
کوئی پوچھے دلِ درد آشنا سے

خدا کی شان ہے بستر رہے گرم
خدائی بھر کی باتیں ہوں خدا سے

نہ پوچھو کیا ملا اور کس سے پایا
خدا اُن سے ملا اور وہ خدا سے

رہوں دونوں جہاں میں شاد و خرم
تمنا ہے یہ شاہِ دو سرا سے

پلا دے ساقیٔ کوثر کوئی جام
ترے میخوار ہیں مدّت سے پیاسے

کرم کا واسطہ شانِ کرم کا
عطا ہو کچھ مجھے دستِ عطا سے

خیال زلف میں ہے جوش گریہ
بڑھا طوفانِ رحمت اس گھٹا سے(۲)

تجھے سب کچھ دیا تیرے خدا نے
مجھے سب کچھ ملا تیری عطا سے

کھڑے ہیں تشنہ کامانِ محبت
مئے الفت سے بھر دے ان کے کاسے(۳)

قیامت میں پڑھوں میں نعت اے لطفؔ
بپا ہو شورِ محشر مرحبا سے

☆☆☆

۱۔ ۲۔ ۳۔ یہ اشعار ماہنامہ شمس العلوم بدایوں، ج:۴/شمارہ۱ بابت محرم ۱۳۳۵ھ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔

شب اسریٰ یہ عالم تھا فروغِ روئے انور سے
کہ فرطِ شرم سے چھپ کر نہ نکلی چاندنی گھر سے
مقامِ قاب قوسین ایک ادنیٰ مرتبہ اُن کا
گئے اللہ کے گھر جب چلے اللہ کے گھر سے
کوئی راز و نیازِ عاشق و معشوق کیا جانے
کہ حق سے کیا پیمبر نے کہا حق نے پیمبر سے
ہماری یاد ہر لحظہ نبی کے دل میں رہتی ہے
شبِ معراج بھی آنسو رواں تھے چشمِ اطہر سے
کیا ظاہر یہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ نے
کہ شب اللہ کے گھر تم گئے اللہ کے گھر سے
یہ تھی اُمت نوازی صبح کو دشمن کے گھر پہنچا
وہ شاہِ دو جہاں آیا جو شب اللہ کے گھر سے
گرے بجلی ابھی اس دفترِ اعمالِ عصیاں پر
مدینے سے گھٹا اُٹھّے گنہگاروں پہ آ برسے
خدا معطی و قاسم ہے دیا سب کچھ ملا سب کچھ
زمانے کو ترے گھر سے تجھے اللہ کے گھر سے
گنہگاروں کو اپنے ظلِّ رحمت میں چھپا لینا
مرے مولا پریشاں ہوں نہ یہ خورشیدِ محشر سے
دکھا کر چاند سا چہرہ خدا کو رونمائی میں
سند بخشش کی لائے ہیں نبی اللہ کے گھر سے
شمارِ لطفِ عاصی کر لیں اپنے مدح خوانوں میں
صلہ میں بس تمنّا ہے یہ شاہِ ظلِّ گستر سے

ہوا یہ فضلِ خدا آپ کے توسل سے
کہ دم میں اُمّتِ عاصی گزر گئی پل سے

ملائکہ کے پرے ہیں تو انبیا کی صفیں
حضور لائے ہیں تشریف کس تجمل سے

نہ چھیڑیں مجھ کو نکرین راہ لیں اپنی
نہیں تو میں ابھی کہتا ہوں سرورِ کل سے

ریاضِ خلد کو طیبہ سے کون جاتا ہے
کسی کے شیفتہ رُخ کو کہاں غرض گل سے

خدا نے آپ کو مالک کہا خدائی کا
جو کچھ ہوا وہ ہوا آپ کے توسل سے

یہ داغِ دل نہیں یاد جمالِ عارض ہیں
چراغ ہم نے جلایا ہے آتشِ گل سے

ہزار ناز ہیں اپنی سیاہ بختی پر
کہ لڑ گئی مری تقدیر اُن کی کاکل سے

چلو بڑھو مرا ساقی ہے آج بخشش پر
پکارتے ہیں یہ شیشے صدائے قلقل سے

یہ اُن کی چشم خماری میں ہے نیا اعجاز
کہ مست ہو گئے سب ایک ساغر گل سے

جواب داورِ محشر یہی ہے بس اے لطفؔ
کہ بخش دے مجھے محبوب کے توسل سے

☆☆☆

شبِ اسریٰ شہنشاہِ زماں سے
ہوئیں باتیں مکیں سے لا مکاں سے

مہک جاتے تھے خوشبو سے وہ کوچے
گزر جاتے تھے شاہِ دیں جہاں سے

جو مل جائے درِ والا پہ مرنا
نہ بدلیں ہم حیاتِ جاوداں سے

اٹھا کر اپنے دم پہ سب کی تکلیف
چھڑایا سختیِ نزعِ رواں سے

زمیں پر آپ کیا لائے ہیں تشریف
اُتر آئی ہے رحمت آسماں سے

ہوا خواہانِ رحمت کی لحد میں
ہوائیں آئیں گی باغِ جناں سے

ہوئے ضبط محبت سے بھی نادم
نہ نکلا کام کچھ آہ و فغاں سے

عرب کو قافلے جاتے ہیں اور ہم
پڑے رہتے ہیں گردِ کارواں سے

کرم فرمایئے جانِ مسیحا
تڑپتا ہے کوئی دردِ نہاں سے

جو سنتے ہیں فرشتوں سے مرا حال
وہ سن لیتے کہیں میری زباں سے

چلا ہے اب دلِ دیوانۂ عشق
خدا جانے کہاں پہنچے کہاں سے

کریں سجدے پہ سجدے بےخودی میں
جدا ہو سر نہ اُن کے آستاں سے

وہ روضہ ہو پسِ مرگ اور ہم ہوں
یہاں مطلب نہیں باغِ جناں سے

یہ رحمت تھی کہ اپنے دشمنوں کو
جو نکلی تو دُعا نکلی زباں سے

شہیدِ خنجرِ عشقِ نبی ہوں
چلی آتی ہیں کیوں حوریں جناں سے

الٰہی بہرِ سردارِ دو عالم
رہوں دارین میں امن و اماں سے

چلے روضہ سے عاصی پاک ہو کر
برستی ہے یہ رحمت آسماں سے

یہ کہتے ہیں تمہارے مرنے والے
دوبارا زندگی لائیں کہاں سے

مزہ آئے اگر اے حضرتِ لطف
چلیں کعبہ کو ہم ہندوستاں سے

☆☆☆

مکاں سے لا مکاں تک ہر جگہ جلوے محمد کے
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے بھلا رُتبے محمد کے
بہلتے ہیں کہیں جنت میں دیوانے محمد کے
ریاضِ خلد کیا بڑھ کر ہیں روضے سے محمد کے
لحد میں جو نظر آئیں اُسے جلوے محمد کے
دلِ مردہ ہمارا اُٹھ کے ہو صدقے محمد کے
ہمیں دامانِ رحمت میں لیا کس نے؟ محمد نے
گنہگارانِ اُمت پر کرم کس کے؟ محمد کے
زباں سے دشمنوں کے حق میں جب نکلی، دُعا نکلی
یہ الطافِ کریمانہ کوئی دیکھے محمد کے
کبھی میزان پر تشریف فرماں ہیں کبھی پل پر
قیامت میں کوئی لطف و کرم دیکھے محمد کے
شبِ اسریٰ ہوا دیدارِ حق کس کو؟ محمد کو
سرِ عرشِ خدا پہنچے قدم کس کے؟ محمد کے
مرا منہ اور وصفِ مصطفیٰ اللہ کی قدرت
مری چشمِ تصور اور یہ نظّارے محمد کے
محبت میں طلب صادق ہو جذبِ عشق کامل ہو
جہاں دیکھوں نظر آئیں وہاں جلوے محمد کے
شفاعت کے لیے چاروں طرف ہیں منتظر کس کے؟
محمد کے، محمد کے، محمد کے، محمد کے

ابو بکر و عمر عثمان حیدر بزمِ مولد میں
محمد شمع محفل ہیں یہ پروانے محمد کے
جسے دیکھو نظر آتا ہے دیوانہ محمد کا
جسے دیکھو ہوا جاتا ہے وہ صدقے محمد کے
تمنا ہے دلِ بے تاب کی اے کاش ہو جاؤں
کبھی قرباں محمد کے کبھی صدقے محمد کے
غلامانِ محمد کی تمنا ہے تو اتنی ہے
نظر کے سامنے یا رب رہیں جلوے محمد کے
جسے دیکھو نظر آتا ہے وہ غمگیں سرِ محشر
نظر آتے ہیں دیوانے مگر ہنستے محمد کے
خدا سر دے تو وہ سر دے کہ جس میں اُن کا سودا ہو
خدا دل دے تو وہ دل دے جو ہو صدقے محمد کے
خدا کے فضل سے مدّاحِ سردارِ دو عالم ہیں
نہ کیوں بالا سے بالا ہوں وسیلے سے محمد کے
عطا کی دولتِ ایماں ہزاروں دولتِ بخشیں
یہ سب لطف و کرم ہیں لطف پر کس کے محمد کے

☆☆☆

شفاعت پہ دامن جو گردان لیں گے
تو بڑھ کر وہ بخشش کا سامان لیں گے

سرِ حشر اے عاصیو دیکھ لینا
غلاموں کو اپنے وہ پہچان لیں گے

فرشتے دکھائیں گے مدفن میں جس دم
تو ہم اپنے آقا کو پہچان لیں گے

تسلّی اگر دل کو دیں گے وہ گیسو
بلائیں مرے دل کی ارمان لیں گے

نہ لیں گے کبھی باغِ خلد اُن کے وحشی
لیا تو عرب کا بیابان لیں گے

ہم اُن کے ہیں جنت ہمارا ہی حق ہے
ہمیں باغِ جنت کے سامان لیں گے

ملے گر شرابِ محبت نبی کی
تو اے لطفؔ ہم بیچ کر جان لیں گے

☆☆☆

دمِ آخر یہ حسرت تو الٰہی کم سے کم نکلے — وہ اندازِ تبسّم دیکھ کر آنکھوں سے دم نکلے

غمِ اُلفت ہے دم کے ساتھ دم نکلے تو غم نکلے — محبت کا مزہ یہ ہے نہ غم نکلے نہ دم نکلے

اُنھیں زیبا یہ دعویٰ یادِ شہہ میں جن کا دم نکلے — محبت میں اگر نکلے تو ہم ثابت قدم نکلے

وہ رسوائے زمانہ ہو رہے ہیں اُن کی اُلفت میں — ہزاروں اُنگلیاں اُٹھیں جدھر سے ہو کے ہم نکلے

ترحّم وہ کہ آئے رحمۃ اللعالمیں ہو کر — کرم ایسا کہ ہر انداز میں شانِ کرم نکلے

ہماری یاد میں ہی اشک تھے چشمِ مبارک میں — شبِ معراج اپنے گھر سے جب خیرالامم نکلے

خدا کیا اور خدائی کیا جو ہے وہ اُن کا شیدا ہے — وہ جانِ حسن ہیں ایسے حسیں عالم میں کم نکلے

یہ شانِ خلق ہے وہ بسمل تیغ محبت ہو — جو گھر سے بہرِ قتلِ شاہِ دیں کھا کر قسم نکلے

ہوئے جو خاک اس در پر انہیں نے آبرو پائی — جو بیٹھے نقشِ پا ہو کر وہی ثابت قدم نکلے

صلہ پایا یہ ہم نے مدحتِ خطِّ مبارک کا — کہ سب عصیاں ہمارے خط کشیدہ یک قلم نکلے

ہماری یاد میں نکلے جو آنسو چشمِ والا سے — وہ بن کر گوہرِ خوش آب دریائے کرم نکلے

یہ لطفِ زندگانی ہے کہ ہو نظّارہ اُس رُخ کا — مزہ مرنے کا جب آئے کہ اُن قدموں میں دم نکلے

محبت اُس کو کہتے ہیں محبت کے یہ معنی ہیں — خدا کے خاص اُن کے بندگانِ........... نکلے

زباں پر ربّ ھب لی اُمتی تھا اوّل و آخر — یہ قسمت ایسے محبوبِ دل سرکار ہم نکلے

کرم فرمائے دشمن پر فقط یہ ذات والا تھی — نکلنے کو جہاں میں سیکڑوں اہلِ کرم نکلے

ترے قرباں اس ہنگامۂ جانکاہ محشر میں
ملی راحت رہا ہو کر اسیرِ دامِ غم نکلے

یہ ہے ایمان تم سا شافعِ محشر نہیں کوئی
مگر ڈھونڈو تو ہم سا بھی گنہگاروں میں کم نکلے

اگر قسمت سے رویا میں بنوں میں شانہ کس اُن کا
نصیبوں کی کجی نکلے جو اُن زلفوں کا خم نکلے

اسے کہتے ہیں باہم دل سے دل کو راہ ہوتی ہے
اُدھر محشر میں تم آئے اِدھر مرقد سے ہم نکلے

ہمارا کام تھا راہِ محبت میں قدم رکھنا
تمہیں نے دستگیری کی تو اب کچھ پاؤں جم نکلے

مدینے کی جدائی دل میں کانٹا سا کھٹکتی ہے
.... دیکھئے اے لطفؔ کب یہ خارِ غم نکلے

☆☆☆

ٹھہرے جب .... خوش خو اپنے
دلِ بے تاب گناہوں سے نہ ڈرتو اپنے

تنِ بے سایہ کا صدقہ مرے مولا رکھنا
سایۂ دامنِ رحمت میں مجھے تو اپنے

نظر آ جائیں مجھے طاق حرم کے جلوے
تم جو رویا میں دکھا دو کبھی ابرو اپنے

کر نظر اپنی طرف میرے گناہوں کو نہ دیکھ
یا خدا فضل و کرم بندے پہ کر تو اپنے

گھر مہک جاتے تھے خوشبو سے اگر کھولتا تھا
وہ مرا گیسوؤں والا کبھی گیسو اپنے

واہ کیا بارشِ ابرِ کرم باری ہے
غمِ شبیر میں تھمتے نہیں آنسو اپنے

طفلِ اشک اپنی شرارت سے نہ باز آئے کہیں
اُن کے دامن پہ مچل کر رہے آنسو اپنے

کبھی پوچھا بھی کہ یہ ہند میں کس حال میں ہے
کبھی دیکھے بھی اسیرِ غمِ گیسو اپنے

کل ہنسائے گا تری یاد میں رونا اپنا
کام آئیں گے قیامت میں یہ آنسو اپنے

نفسِ امّارہ کے کہنے میں چلے ہاتھ مرے
اپنے دشمن کے معاون ہوئے بازو اپنے

پاس آداب کہ ہو ضبطِ فغاں ہو اے لطفؔ
پھر بھی کمبخت نکل جاتے ہیں آنسو اپنے

☆☆☆

چشمِ حق بیں سے اگر دیکھنے والا دیکھے
آئینہ خانہ کی مانند یہ دنیا دیکھے

جو یہ چاہے کہ تری شان کا جلوہ دیکھے
وہ تجھے دیکھنے والے کا تماشا دیکھے

کہیں تو نزع کی حالت کہیں بے ہوشی کی
غور سے کوئی یہ نیرنگِ تماشا دیکھے

ہیں اسے حضرت صدیق کی آنکھیں درکار
کس کی آنکھیں ہیں جو روئے شہہ والا دیکھے

جس کو تقدیر سے دیدِ رُخِ گیسو ہو نصیب
دن دہاڑے وہ شبِ قدر کا جلوا دیکھے

آرزو دل کی یہ ہے جاگتے سوتے یا غوث
تیرا دربارِ معلیٰ ترا جلوا دیکھے

ہے یہ رتبہ کہ وہ محبوبِ الٰہی ہو جائے
نگہٗ فیض سے جس کو مرا خواجہ دیکھے

جستجو میں تری خود گم ہو تو پائے تجھ کو
پہلے گم ہو کے ترا ڈھونڈنے والا دیکھے

تیرا دیدار نہ حاصل ہو تو آنکھیں بیکار
اور پھر کس کو ترا عاشقِ شیدا دیکھے

اس طرف آئے گی کب چشمِ کرم کی باری
کوئی کب تک نگہِ مہر کا رستہ دیکھے

اُس کے دل سے بھی گناہوں کی سیاہی دُھل جائے
فیض مدحت کا تری لطفؔ بھی مولا دیکھے

☆☆☆

(مطلع ندارد)

درِ والا پہ جا کر جان دوں پھر پوچھنا کیا ہے
اگر تقدیر سے ایسی کوئی تدبیر ہو جائے

اگر تقدیر سے پیدا نہ ہو صورت رسائی کی
مری تقدیر یا رب ویس کی تقدیر ہو جائے

پسِ مردن وہ خاکِ پاک ہو اور اپنی پیشانی
مری تقدیر بن جائے جو یہ تدبیر ہو جائے

جوانی میں ہوئے بے حد گنہ لیکن مزا آئے
اگر اس خواب کی اُلٹی کہیں تعبیر ہو جائے

وہ آ کر خواب میں فرمائیں تسکینِ دلِ مضطر
الٰہی آہ میں اتنی کہیں تاثیر ہو جائے

نبی کی خاکِ پا اللہ اکبر پوچھنا کیا ہے
یہ وہ ہے گرد جس کے سامنے اکسیر ہو جائے

مجھے چپ دیکھ کر محشر میں پوچھیں حالِ غم میرا
لبِ خاموش اپنا باعثِ تقریر ہو جائے

مجھے مشکل سہی لیکن تجھے مشکل نہیں یا رب
مدینے میں پہنچنے کی کوئی تدبیر ہو جائے

اگر قسمت سے وہ نورِ مجسم جلوہ افگن ہو
مرے مرقد میں پھر تنویر ہی تنویر ہو جائے

یہ ہیں راز و نیازِ عاشق و معشوق کی باتیں
کہ ہو تاکید واپس عاشقِ دلگیر ہو جائے

ہمیں پروا نہیں اے لطفؔ کچھ خورشیدِ محشر کی
مگر سایہ فگن ہم پر ہمارا پیر ہو جائے

☆☆☆

اگر زیارتِ خیرالانام ہو جائے
مرے نصیب کا عالم میں نام ہو جائے

دیارِ ہند میں گھبرا رہا ہوں مدت سے
الٰہی اب تو مدینہ مقام ہو جائے

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

ہزار ناز ہوں اپنی نیاز مندی پر
اگر قبول ہمارا سلام ہو جائے

مقامِ حیف ہے تقدیر اُس مسافر کی
کہ جس کی وادیٔ غربت میں شام ہو جائے

سیاہ نامۂ عصیاں سے کچھ بعید نہیں
کہ صبح روزِ قیامت کی شام ہو جائے

نظر جو خواب میں آئیں وہ مصحف عارض
ہماری منزل مقصد تمام ہو جائے

خیالِ زلفِ مسلسل نہ جائے تا بہ ابد
الٰہی صبح قیامت کی شام ہو جائے

خدا گواہ کہ کچھ نہیں ہمیں پرواہ
گنہگاروں میں اُمت کے نام ہو جائے

خبر نہ ہو ترے محوِ خیال قامت کو
تمام روز قیامت تمام ہو جائے

ہمیں بھی گر صف محشر میں پوچھ لو مولیٰ
تمہارا نام غریبوں کا کام ہو جائے

ادائے جنبشِ لب سے جو فیصلہ کر دو
بس ایک بات میں قصہ تمام ہو جائے

نگاہِ مہر سے گر آپ اک نظر دیکھیں
تمام دفترِ عصیاں تمام ہو جائے

جو ہو نصیب سے مقبولِ بارگاہ نبی
کلام لطفؔ میں لطف کلام ہو جائے

☆☆☆

نگاہِ مہر جو سوئے غلام ہو جائے
تو حشر و نشر کا قصہ تمام ہو جائے

وہ آئیں دل میں رہیں حسرتیں نکل جائیں
کسی کا کوچ کسی کا قیام ہو جائے

کہاں ہو شافعِ محشر دکھا دو شانِ کرم
تمہارا نام ہو اور میرا کام ہو جائے

دعا یہ ہے کہ مدینہ کا ہو سفر ہر سال
ہماری عمر یوں ہی سب تمام ہو جائے

عرب کے چاند جو ایک لمحہ کو تم آ جاؤ
لحد مری ابھی دارالسلام ہو جائے

نگاہِ لطف سے سرکار پھر ادھر دیکھو
کہ آنکھوں آنکھوں میں قصہ تمام ہو جائے

(از بیاض مولوی محمد حسین نعت خواں)

☆☆☆

گھٹ کر یہ آرزو کہیں سرکار رہ نہ جائے　　محرومِ دید طالبِ دیدار رہ نہ جائے

محشر میں چھٹ کے دامنِ سرکار رہ نہ جائے　　اس بھیڑ میں کہیں یہ گنہگار رہ نہ جائے

اے عیسیٰ زماں لبِ جاں بخشش کی قسم　　کوئی مریضِ نرگسِ بیمار رہ نہ جائے

بے پردہ جب وہ نورِ مجسم ہو جلوہ گر　　کیوں دل پکڑ کے طالبِ دیدار رہ نہ جائے

مٹ جائے دھل کے نامۂ عصیاں کا حرف حرف　　کوئی گناہ دیدۂ خونبار رہ نہ جائے

محفل میں جلوہ گر رہے اے بے خودئ شوق　　اب کوئی بات قابلِ اظہار رہ نہ جائے

تیرے کرم سے رحمتِ غفار حشر میں　　یہ تشنہ کام اے مرے سرکار رہ نہ جائے

کوثر پہ اپنی چشمِ خماریں کا واسطہ　　یہ تشنہ کام اے مرے سرکار رہ نہ جائے

موقوف روزِ حشر پہ بخشش ہے اس لیے　　شانِ کرم کا آپ کی اظہار رہ نہ جائے

مولیٰ جو یہ اُمید بر آئے تو لطفؔ ہو
ہونے سے لطفؔ حاضرِ دربار رہ نہ جائے

☆☆☆

دل میں نورِ جلوۂ جانانہ ہونا چاہیے
شمع طور اپنا چراغ خانہ ہونا چاہیے
جان جانے کی کوئی پروا نہ ہونا چاہیے
شمع بزم حسن کا پروانہ ہونا چاہیے
ہے بھرے گھر کا اُجالا داغ عشق مصطفےٰ
ایسے مہماں کو تو صاحب خانہ ہونا چاہیے
اس اندھیرے گھر میں گھبراتی ہیں اُن کی حسرتیں
داغِ دل تجھ کو چراغ خانہ ہونا چاہیے
جان جائے پر نہ جائے جستجوے راہِ شوق
عاشقی میں ہمت مردانہ ہونا چاہیے
نوک کی لیتے ہیں ہم سے خار صحراے جنوں
جوش وحشت ہمت مردانہ ہونا چاہیے
بات تو جب ہے تری اے انقلابِ آسماں
گل کو بلبل شمع کو پروانہ ہونا چاہیے
میری حالت دیکھ کر اے لطف کہتا ہے طبیب
یہ مریضِ عشق ہے اچھا نہ ہونا چاہیے

(ماہنامہ شمس العلوم بدایوں، ص:۲۳، ۱۳۳۳ھ)

☆☆☆

دل میں خمِ ابرو کا جلوہ نظر آتا ہے
لو کعبہ کے اندر بھی قبلہ نظر آتا ہے

یہ خاک کا پتلا کیا گویا نظر آتا ہے
اللہ کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے

اس چشمِ تصور نے کیا رنگ دکھائے ہیں
سینہ میں مدینہ کا نقشہ نظر آتا ہے

تیرا نہ کوئی ثانی تیرا نہ کوئی ہمتا
تو ساری خدائی میں یکتا نظر آتا ہے

یوسف کی دل آرائی عیسیٰ کی مسیحائی
یہ سب مرے مولیٰ کا صدقہ نظر آتا ہے

ہر چیز میں نور اُن کا ہر شے میں ظہور اُن کا
جو کچھ نظر آتا ہے اُن کا نظر آتا ہے

ہے دل میں جگہ اُن کی یہ عرش کی زینت ہیں
اُن قدموں سے بت خانہ کعبہ نظر آتا ہے

سرکار کی رحمت سے محروم نہیں کوئی
دل کیا نظر آتا ہے دریا نظر آتا ہے

پہنچانے کو ساتھ اُس کے جاتی ہیں تری آہیں
جب کوئی مدینے کو جاتا نظر آتا ہے

محشر میں وہ دولہا ہیں مخلوق براتی ہے
سر اُن کے شفاعت کا سہرا نظر آتا ہے

بڑھ کر وہیں سینے سے سرکار لگاتے ہیں
جب دل کسی بے کس کا ٹوٹا نظر آتا ہے

بخشی ہے تجھے حق نے عالم کی شہنشاہی
جو ہے وہ ترے در سے پلتا نظر آتا ہے

ہر دل تری محفل میں حیرانِ تماشہ ہے
جس آئینہ کو دیکھو تکتا نظر آتا ہے

اب لطفؔ وہ آتے ہیں محشر میں شہہ والا
اب کام غریبوں کا بنتا نظر آتا ہے

☆☆☆

مژدہ اے دل کہ رسولِ عربی آتا ہے   جو ہوا باعث خلقت وہ نبی آتا ہے
آج دنیا میں محمد سا نبی آتا ہے   جلوۂ حق بہ لباسِ عربی آتا ہے
ناز و انداز پہ دل لوٹ ہوئے جاتے ہیں   کس ادا سے وہ جوانِ عربی آتا ہے
جس کے آنے کی خبر حضرت عیسیٰ لائے   وہی مکی مدنی العربی آتا ہے
نور سے جس کے ہوئے عالم و آدم پیدا   ختم ہے جس پہ نبوت وہ نبی آتا ہے
ہم براتی جسے نوشاہِ عرب کہتے ہیں   جس کا سہرا ہے شفاعت وہ نبی آتا ہے
کس کی آمد میں ہیں سرگرم فرشتوں کے پرے   آج یہ کون جوانِ عربی آتا ہے
بس نکیرین زیادہ نہ ستاؤ مجھ کو   دیکھو دیکھو وہ رسولِ عربی آتا ہے
دیکھا محشر میں جو حضرت کو گنہگاروں نے   چیخ اُٹھّے وہ رسولِ عربی آتا ہے
آنکھیں رہ جاتی ہیں آئینہ حیرت بن کر   جس طرف سے وہ جوانِ عربی آتا ہے
واہ اے اُمّت عاصی تری قسمت کے نثار   تیری بخشش کو رسولِ عربی آتا ہے
شافع حشر کی کیا شان ہے اللہ اللہ   ہر نبی بہر شفاعت طلبی آتا ہے

جس کے قدموں سے ہے اے لطفؔ ضیائے ایماں
لو مبارک ہو وہ ماہِ عربی آتا ہے

☆☆☆

خدا جانے اب اور کیا چاہتا ہے
کہ بندے کی مرضی خدا چاہتا ہے

تماشا ہے راز و نیازِ محبت
یہ کیا چاہتے ہیں وہ کیا چاہتا ہے

تمہارے لبوں سے مریضِ محبت
دوا چاہتا ہے دُعا چاہتا ہے

قیامت میں آنے کو ہیں تیرے وحشی
نیا حشر برپا ہوا چاہتا ہے

چھپائے ہیں دامن میں سرکار اپنے
گنہگار اب اور کیا چاہتا ہے

بروں کی برائی تو سب چاہتے ہیں
مگر تو بروں کا بھلا چاہتا ہے

خبر لیجئے دستگیرِ دو عالم
کوئی ناتواں آسرا چاہتا ہے

کروں عرض اے بادشاہِ دو عالم
تجھی کو یہ تیرا گدا چاہتا ہے

مزے سے تصور میں ہوتی ہیں باتیں
بس اب اور اے لطفؔ کیا چاہتا ہے

☆☆☆

دم بھروں آپ کا جب تک کہ مری جان رہے
ہوں نثار آپ کے قدموں پہ تو ایمان رہے
خانۂ دل میں ہمارے یہی مہمان رہے
آپ کی یاد رہے آپ کا ارمان رہے
اے رسولِ عربی اے مرے محبوبِ خدا
آپ کا فضل و کرم آپ کا احسان رہے
سیرِ گلشن سے غرض کیا ترے دیوانے کو
ہم رہیں اور مدینہ کا بیابان رہے
اپنی رحمت سے بچایا ہمیں ہر آفت سے
آپ ہر حال میں اُمّت کے نگہبان رہے
تم نے ایمان کی مولیٰ مجھے دولت بخشی
تم سلامت رہو قائم مرا ایمان رہے
سر وہی سر ہے کہ جس میں رہے سودا تیرا
دل وہی دل ہے کہ جس میں ترا ارمان رہے
یا نبی حسرتِ دیدار جو پوری ہو جائے
پھر نہ اُمید رہے کوئی نہ ارمان رہے
تم جو پلّے پہ رہو رحمتِ عالم ہو کر
وزنِ اعمال سے پھر کون پریشان رہے
آپ کے فضل سے جمعیتِ خاطر ہو نصیب
آپ کے لطف کی حالت نہ پریشان رہے

داغ لالہ میں رہے یا مہہٴ تاباں میں رہے
لطف جب ہے کہ ہمارے دلِ سوزاں میں رہے
دلِ مجروح جو یادِ شہہِ مژگاں میں رہے
نور کی بات مری حشر کے میداں میں رہے
ہاتھ پکڑے کی مرے لاج رہے اے مولیٰ
شرمِ عصیاں سے مرا سر نہ گریباں میں رہے
اے جنوں ہم سے اُلجھنے کا مزہ تو جب ہے
پاؤں دامن میں رہے ہاتھ گریباں میں رہے
تم ہمارے دلِ مشتاق میں ہو جلوہ نما
شمع محفل میں رہے پھول گلستاں میں رہے
گرمیٔ مہر قیامت سے نہ پاؤں تکلیف
شرمِ عصیاں سے مرا سر نہ گریباں میں رہے
گو گنہگار و سیہ کار ہوں پر تیرا ہوں
نام تیرا ہی مرے دفترِ عصیاں میں رہے
آدمی کو اسی اُلفت نے شرافت بخشی
خاک ہے پھر جو محبت ہی نہ انساں میں رہے
گرمیٔ مہرِ قیامت کی اُسے کیا پرواہ
جو گنہگار ترے سایۂ داماں میں رہے
دل پہ اب داغ کہاں تختۂ گلزار کہاں
تم مرے دل میں رہو پھول گلستاں میں رہے

گوشۂ قبر تھا کیا پردۂ محشر کیسا
گھر سے نکلے ترے وحشی تو بیاباں میں رہے
تم اگر ایک نگہ لطف و کرم سے دیکھو
حرف کی جا نہ مرے دفترِ عصیاں میں رہے
جذبۂ عشق اِدھر ہو کششِ حسن اُدھر
تؤ مرے دل میں رہے دل ترے ارماں میں رہے
یہی جلسہ یہی دورِ مئے بغدادی ہو
یہ دُعاگو بھی سدا محفلِ رنداں میں رہے
چشم گریاں سے مرے لعل و گہر ہوں پیدا
دل بے تاب جو یاد لب و دنداں میں رہے(۱)
سر وہی سر ہے جو اس نقش قدم پر خم ہو
دل وہی دل ہے جو یاد شہہ جیلاں میں رہے(۲)
کس کے گھر جائے وہ تیرے درِ دولت کے سوا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے جو ترے داماں میں رہے(۳)
ایک سے ہو کے رہیں ظاہر و باطن اے لطفؔ
زخم سینہ میں رہے چاک گریباں میں رہے

☆☆☆

۱۔ ۲۔ ۳۔ یہ اشعار مولوی محمد حسین قادری کی بیاض سے اضافہ کیے گئے ہیں۔

گو دیارِ طیبہ ہم سے دور ہے
کیا ترے فضل و کرم سے دور ہے

ہم گنہگاروں کو ہو تکلیفِ حشر
یہ تری شانِ کرم سے دور ہے

سرفرازی ہو تو ہو کیونکر نصیب
سر ترے نقشِ قدم سے دور ہے

اپنے مولیٰ سے نہیں کچھ دور ہم
ہم نے یہ مانا وہ ہم سے دور ہے

ہم سے محتاجوں کا دامانِ مراد
کیا ترے دستِ کرم سے دور ہے

دور ہے تاثیر آہوں سے تو ہو
اشک بھی کیا چشمِ نم سے دور ہے

چشم پوشی عاصیوں کی روزِ حشر
عین الطاف و کرم سے دور ہے

یادِ مولیٰ ہے دلِ مہجور میں
گھر میں گھر ہے اور ہم سے دور رہے

ہاتھ خالی اپنے در سے پھیرنا
دور ہے اہلِ کرم سے دور ہے

آئے ہیں اب لے کے جائیں گے حضور
بے لیے جانا تو ہم سے دور ہے

کیا لکھے اے لطفؔ مداحِ رسول
نعتِ شاہِ دیں قلم سے دور ہے

☆☆☆

بلالو اپنے روضہ پر یہی اب حسرتِ دل ہے
تمھیں آساں سے آساں ہے مجھے مشکل سے مشکل ہے

لگا دو بحرِ غم سے پار بیڑا ہم غریبوں کا
کہ طوفانی ہے دریا اور کوسوں دور ساحل ہے

کرم میں تم ہو لاثانی طلب میں ہم ہیں بے ہمتا
نہ تم سا کوئی داتا ہے نہ ہم سا کوئی سائل ہے

پناہِ دو جہاں ہو رحمۃ اللعالمیں تم ہو
تمہارے سایۂ رحمت میں ہر مخلوق داخل ہے

وہی آنکھیں ہیں جو روتی ہیں یادِ شاہِ والا میں
جو اُن کی آتش فرقت سے جلتا ہے وہی دل ہے

حبیبِ قادرِ مطلق ہو تم میں بندۂ عاجز
تمھیں مشکل بھی آساں ہے مجھے آساں بھی مشکل ہے

نبی کے دل میں اُمّت بزم مولد میں ہے یاد اُن کی
یہاں محفل میں خلوت ہے وہاں خلوت میں محفل ہے

دبا ہوں بارِ عصیاں سے اغثنی یا رسول اللہ
سفر درپیش ہے میں ناتواں ہوں دور منزل ہے

یہ ہاتھ آیا تو ہاتھ آیا کنارا بحرِ رحمت کا
تمہارا دامن اقدس ہے یا دامانِ ساحل ہے
خدا شاہد ہے اس یاد آوری کا شکر کیونکر ہو
شبِ معراج بھی ہم بےکسوں کی یاد میں دل ہے
گنہگاروں کا میلہ ہے نبی کی بزمِ مولد میں
نجاتِ عاصیاں ہوتی ہے جس میں یہ وہ محفل ہے
کرم کیجیے خدا را لطفِ عاصی پر کرم کیجیے
نگاہِ رحم کا مشتاق ہے بخشش کا سائل ہے

☆☆☆

تجلیٔ رخِ رحمت دکھائی جاتی ہے
مرے گناہوں پہ بجلی گرائی جاتی ہے

جو بزمِ حشر میں ساری خدائی جاتی ہے
یہ کس حسین کی صورت دکھائی جاتی ہے

جو عاصیوں کی جماعت بلائی جاتی ہے
کسی کی شانِ شفاعت دکھائی جاتی ہے

جمالِ عارضِ حضرت کے دل فگاروں کو
ریاضِ خلد سے جنت سجائی جاتی ہے

اُنہی کی ذات سہارا ہے بے سہاروں کا
یہیں غریبوں کی بگڑی بنائی جاتی ہے

یہ حال ہے دلِ مضطر کا دردِ فرقت میں
تڑپ تڑپ کے قیامت اُٹھائی جاتی ہے

یہ میکدہ نہیں قربان اپنے ساقی کے
یہاں شرابِ محبت پلائی جاتی ہے

چلا ہے سیر کو دونوں جہان کا دولہا
ہزار رنگ سے جنت سجائی جاتی ہے

ہر ایک دل ہے اسی ایک نور کا مسکن
ہر آئینے میں وہ صورت دکھائی جاتی ہے

خدا کرے تری تصویر ہو نکیر کے پاس
سنا ہے قبر میں صورت دکھائی جاتی ہے

جو دستِ ناز سے گیسو سنوارے جاتے ہیں
یہ کس غریب کی بگڑی بنائی جاتی ہے

رسولِ پاک کو جبریل کیا جگاتے ہیں
گناہ گاروں کی قسمت جگائی جاتی ہے

ہزار جانیں ہوں قربان ایسے مرنے پر
کہ وقتِ نزع وہ صورت دکھائی جاتی ہے

مرے غنی تری سرکار ہے وہ فیض اثر
کہ دو جہان کی دولت لٹائی جاتی ہے

وہ ذاتِ پاکِ نبی کریم ہے اے لطفؔ
کہ جس کے واسطے دنیا بنائی جاتی ہے

☆☆☆

مناقب

ہے خاکساروں میں خوئے ابو تراب کی بُو
خدا کی شان کہ ذرّوں میں آفتاب کی بُو
چھپے گی کیا مئے عشقِ ابو تراب کی بُو
ہماری خاک سے بھی آئے گی شراب کی بُو
کجا گلاب کجا وہ گُلِ ریاضِ جناں
کہاں حسین کی خوشبو کہاں گلاب کی بُو
ہمارے سینۂ سوزاں میں جل گئی کیا چیز
کہاں سے آتی ہے یا رب جلے کباب کی بُو
ہم اپنی خاک سے کھنچواتے عطر مٹی کا
جو اِس میں نام کو بھی ہوتی بُو تراب کی بُو
یہ شرم ہے ترے روضہ سے کیوں ہوئی باہر
چھپائے پھرتی ہے منھ اس لئے گلاب کی بُو
حسن حسین ہیں آئینہ صفاتِ حضور
یہ بو تراب کی خو ہیں وہ بُو تراب کی بُو
جو سخت قلب ہیں کیا اُن کو فیض صحبت ہو
کسی نے کانٹوں میں دیکھی کبھی گلاب کی بُو
کھڑے ہیں حشر میں کوثر پہ دل جلے اُن کے
اِدھر شراب کی بُو ہے اُدھر کباب کی بُو
بلند مرتبہ کیوں ہو نہ خاکساروں کا
کہ اس میں آتی ہے شاہِ ابو تراب کی بُو
ہزار پردوں میں طرزِ سخن نہیں چھپتی
کلامِ لطف ہے یا کوئی مشکِ ناب کی بُو

قادری جلوؤں سے معمور جو سینہ دیکھا
گھر میں بیٹھے ہوئے بغداد و مدینہ دیکھا

سال بھر بعد ہوئی قادریوں کی پھر عید
خیر سے عرس مبارک کا مہینہ دیکھا

ساقیِ مست کے میخانے میں آئے جو قدم
مئے توحید سے پُر ہر خم و مینا دیکھا

پیار آ جاتا ہے صورت پہ گنہگاروں کی
ان کی رحمت کا نرالا یہ قرینہ دیکھا

قادری دل میں نظر آئے معینی جلوے
خاتم زر میں زمرّد کا نگینہ دیکھا

حسرت وصل میں جان آئی لبوں پر آخر
بدتر از مرگ غم عشق میں جینا دیکھا

جب ہوئے مظہر حق انجمن آرائے خیال
دل میں انوار الٰہی کا خزینہ دیکھا

راہِ بغداد درِ مظہر حق سے پائی
لطفؔ بغداد سے آنکھوں نے مدینہ دیکھا

(از بیاض مولوی محمد حسین نعت خواں)

☆☆☆

جدائی میں کسی دن جان جائے گی یہی ہوگا
نہ دم ہوگا نہ غم ہوگا نہ ہم ہوں گے نہ جی ہوگا

شریک غم ہمارا کون وقتِ بیکسی ہوگا
مگر ہاں ایک پیر اپنا فقیر قادری ہوگا

زباں پر بات آئے پھر وہ رازِ عشق ہی کیا ہے
جو حرف مدعیٰ نکلا تو قول مدعی ہوگا

مجھے کیا خوف محشر گو سراپا غرق عصیاں ہوں
میرا حامی قیامت میں فقیر قادری ہوگا

چلے گا آج دور جامِ عرفاں بزم ساقی میں
کنارِ دجلہ ہوگا اور لطف مئے کشی ہوگا

عیاں ہے نام نامی سے کہ عبدالمقتدر ہے تو
خدا قدرت اسے بخشے گا جس کا تو ولی ہوگا

سراپا صورت مرشد ہے صورت شاہ زادے کی
خدا چاہے تو اس کا علم و تقوی بھی وہی ہوگا

نہ اس در کے سوا مانگا کسی در پر نہ مانگے گے
نہ یہ ہم سے ہوا اب تک نہ یہ ہم سے کبھی ہوگا

فقیر قادری کے ہاتھ ہوگا قادری جھنڈا
غلام قادری زیرِ لوائے قادری ہوگا

مثال گفتہ او گفتہ اللہ بود تم ہو
خدا شاہد ہے تم جو منھ سے کہہ دو گے وہی ہوگا

ہمارے ہاتھ میں دامن ہے ہم کہلا کے چھوڑیں گے
ابھی کہہ دے کہ تیرا کام دل پورا ابھی ہوگا

غلام قادری مئے نوش ہوں گے حوضِ کوثر پر
علی پیر مغاں ساقی فقیر قادری ہوگا

علی کا رتبۂ اعلیٰ کوئی کیا جان سکتا ہے
وہی سمجھے گا جو مست مئے حب علی ہوگا

درِ والا پہ آ کر ملتجی رہتا ہے برسوں سے
شہا اب لطفؔ کا ارمان بھی پورا کبھی ہوگا

(از بیاض مولوی محمد حسین نعت خواں)

☆☆☆

عرصۂ محشر میں اندیشہ ہے کیا تشہیر کا
ہے ہمارے ہاتھ میں دامن غلام پیر کا
زاہدو تم کو مبارک ہو یہ سجدے کا نشاں
ہم ہیں اور داغ غلامی ہے غلام پیر کا
ہم غریبوں کا سہارا بے کسوں کا آسرا
ہے اگر تو دامنِ دولت غلام پیر کا
دافع رنج و مصیبت بس یہی دو نام ہیں
یا فقیر قادری کا یا غلام پیر کا
یا الٰہی میں کوئی عابد نہیں زاہد نہیں
ہاں مگر اک نام لیوا ہوں غلام پیر کا
جب تری نیچی عبا کے واسطے سے کی دعا
دامن رحمت نے پردہ رکھ لیا تقصیر کا
دشمنوں کے دل ہیں زخمی ان کے نامِ پاک سے
عبد قادر منھ سے کہنا ہے لگانا تیر کا
پھر گئیں جس کی طرف محفل میں بسمل ہو گیا
ترچھی نظریں کام کر جاتیں ہیں سیدھے تیر کا
میرے مولیٰ قبر میں اس لطف عصیاں کار کو
آپ کا نظارہ ہو یا آپ کی تصویر کا

(از بیاض مولوی محمد حسین نعت خواں)

☆☆☆

بیادمولانا عبدالماجد بدایونی منظورؔ

دل بیٹھ گیا حضرت منظورؔ کے غم سے
یہ صدمۂ جاں کاہ پوچھے کوئی ہم سے

جانے کو تو جائے گا جو آیا ہے عدم سے
رونا ہمیں اس کا ہے یہ پہلے گئے ہم سے

حاضر ہوئے تم خدمتِ شاہِ شہدا میں
ظاہر ہے شہادت کہ کفن سرخ تھا دم سے

یہ آج وہی زینتِ آغوشِ لحد میں
کل زینت محفل تھی یہاں جن کے قدم سے

ہم تم سا کہاں پائیں کہ تم سا نہیں ملتا
تم کو تو وہاں سیکڑوں موجود ہیں ہم سے

(از بیاض مولوی محمد حسین نعت خواں)

☆☆☆

متفرقات بہاریہ

متفرقات بہاریہ

اور کیا لطف ہو اس لطف سے بڑھ کر اے لطفؔ
لطف اشعار بھی ہے جلوۂ جانانہ بھی

☆

حسرت آئی جو فلک پر کوئی تارا ٹوٹا
یوں کہیں آئینۂ دل نہ ہمارا ٹوٹا

لب تک آتے ہی خدا جانے لگی کس کی نظر
رہ گیا ہاتھ میں ساغر کا کنارا ٹوٹا

ہم سے تکلیف کسی کی نہیں دیکھی جاتی
غیر کا دل بھی جو ٹوٹا تو ہمارا ٹوٹا

☆

نرگس نہ کیوں اُگے مری مٹی سے بعد مرگ
میں مر گیا کہ حسرتِ دیدار مر گئی

☆

کھنچے رہتے ہو ہم سے اور عدو سے جھک کے ملتے ہو
چلو رہنے بھی دو کیا تیر مارو گے کماں ہو کر

☆

مجھے ملال ہے اس کا تمہیں خیال نہیں
کہ لوگ کہتے ہیں آپس میں بول چال نہیں

☆

جب وہ رشک قمر نہیں ہوتا
گور ہوتی ہے گھر نہیں ہوتا

☆

صبا جو کوچۂ زلفِ بتاں سے تو آئے
تو شاید اپنے دلِ گم شدہ کی بو آئے

یہ کیا ہے گر کششِ حسن و جذب عشق نہیں
کہ جب ادھر سے چلیں ہم اُدھر سے تو آئے

کسی کو زہد کسی کو ریا پسند آیا
جناب لطفؔ کو آئے تو خوب رو آئے

☆

وہ دل کیا جو ترا لذت کش آزار نہ ہو
آنکھ وہ کیا جو تری طالب دیدار نہ ہو

یادِ گیسو میں رہی رات وہ الجھن کہ نہ پوچھ
اس بلا میں کوئی دشمن بھی گرفتار نہ ہو

سرِ بازارِ محبت یہ صدا آتی ہے
وہ یہاں آئے کوئی جس کا خریدار نہ ہو

عشق کامل ہو تو اے لطفؔ یہ ممکن ہی نہیں
جس طرف آنکھ اٹھے جلوہ گہہ یار نہ ہو

☆

جو دل میں آ گئی وہ حقیقت کی بات تھی
جو لب پہ رہ گیا وہ شریعت کا راز تھا

☆

ہم وفا کے بعد کچھ حال جفا کہتے نہیں
جس کو اچھا کہہ چکے اس کو برا کہتے نہیں

ماخوذ از: تذکرۂ شعرائے بدایوں
سید شہید حسین شہید بدایونی
ج ۲/ص: ۱۸۷تا۱۹۰، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

☆☆☆

مرتب ایک نظر میں

نام: اسید الحق محمد عاصم قادری

پیدائش: مولوی محلّہ بدایوں (یو پی)، ۲۳/ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶/مئی ۱۹۷۵ء

والد گرامی: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری

جد محترم: حضرت مولانا عبد القدیر قادری بدایونی ابن تاج الفحول مولانا عبد القادر قادری بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تعلیم:
(۱) حفظ قرآن
(۲) فاضل درس نظامی
(۳) الاجازۃ العالیۃ، شعبۂ تفسیر و علوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف مصر
(۴) تخصص فی الافتاء، دار الافتاء المصریۃ قاہرہ مصر
(۵) ایم۔اے۔علوم اسلامیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مشغلہ: تدریس، تبلیغ، تحقیق، تصنیف

خادم التدریس مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

ڈائرکٹر الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں

بانی رکن دی نیو ایج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر دہلی

قلمی خدمات

پچاس سے زیادہ مقالات و مضامین ہند و پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں:

تصانیف

(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں (مطبوعہ)

(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)

(۳) احادیث قدسیہ: اردو، ہندی، انگلش، گجراتی (مطبوعہ)

(۴) اسلام، جہاد اور دہشت گردی

(۵) اسلام اور خدمت خلق

(٦) جدید عربی محاورات وتعبیرات

(۷) تحقیق وتفہیم (مجموعۂ مقالات) (مطبوعہ)

(۸) خامہ تلاشی (تنقیدی مضامین) (مطبوعہ)

ترتیب وتقدیم

(۹) تذکرۂ ماجد (مطبوعہ)

(۱۰) خطبات صدارت: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۱) مثنوی غوثیہ: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۲) علوم حدیث (مطبوعہ)

(۱۳) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری (مطبوعہ)

(۱۴) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل: مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۵) نگارشات محبّ احمد: مولانا محبّ احمد قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱٦) باقیات ہادی: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۷) احوال ومقامات: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۸) مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۱۹) مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری (مطبوعہ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق (عربی سے)

(۲۰) مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۲۱) الکلام السدید فی تحریر الاسانید مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق (فارسی سے)

(۲۲) احقاق حق: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۳) اکمال فی بحث شد الرحال: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۴) حرز معظم: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۵) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۶) مکاتیب فضل رسول: مولانا فضل رسول بدایونی

(۲۷) ردروافض: مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۲۸) تحفۂ فیض: مولانا عبدالقادر بدایونی

تسہیل وتخریج

(۲۹) عقیدۂ شفاعت: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ) اردو، ہندی، گجراتی

(۳۰) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول): مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی (مطبوعہ)

(۳۱) فصل الخطاب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

☆☆☆

مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی

۱	**احقاق حق**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۲	**عقیدۂ شفاعت**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۳	**اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۴	**اکمال فی بحث شد الرحال**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۵	**فصل الخطاب**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۶	**حرز معظم**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۷	**مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب**	سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
۸	**عظمت غوث اعظم**	علامہ محبّ احمد قادری بدایونی
۹	**سنت مصافحہ**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۰	**الکلام السدید**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۱	**رد روافض**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۲	**تذکرۂ فضل رسول**	مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی
۱۳	**مردے سنتے ہیں**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۴	**مضامین شہید**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۵	**ملت اسلامیہ کا ماضی حال مستقبل**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۶	**عرس کی شرعی حیثیت**	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۱۷	**فلاح دارین**	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۱۸	**خطبات صدارت**	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۱۹	**مثنوی غوثیہ**	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۲۰	**عقائد اہل سنت**	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۲۱	**دعوت عمل**	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۲۲	**نگارشات محب احمد**	علامہ محبّ احمد قادری بدایونی
۲۳	**تحقیق وتفہیم**	مولانا اسید الحق قادری
۲۴	**شارحة الصدور**	مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی
۲۵	**الدرر السنية** ترجمہ از :	مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی

۲۶	**احکام قبور**	مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
۲۷	**ریاض القرأت**	مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
۲۸	**تذکار محبوب** (تذکرۂ عاشق الرسول)	مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی
۲۹	**مختصر سیرت خیرالبشر**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۰	**احوال ومقامات**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۱	**خمیازۂ حیات**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۲	**باقیات ہادی**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۳	**مدینے میں** (مجموعۂ کلام)	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۴	**مفتی لطف بدایونی**	مولانا اسیدالحق قادری
۳۵	**مولانا فیض احمد بدایونی**	پروفیسر محمد ایوب قادری
۳۶	**قرآن کریم کی سائنسی تفسیر** (ایک تنقیدی مطالعہ)	مولانا اسیدالحق قادری
۳۷	**حدیث افتراق امت** تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں	مولانا اسیدالحق قادری
۳۸	**احادیث قدسیہ**	مولانا اسیدالحق قادری
۳۹	**تذکرۂ ماجد**	مولانا اسیدالحق قادری
۴۰	**عقیدۂ شفاعت** (ہندی)	سیدنا شاہ فضل رسول قادری
۴۱	**فلاح دارین** (ہندی)	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۴۲	**دعوتِ عمل** (ہندی)	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
۴۳	**عقائد اہل سنت** (ہندی)	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
۴۴	**معراجِ تخیل** (ہندی)	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۴۵	**دعوتِ عمل** (مراٹھی)	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
۴۶	**پیغمبرِ اسلام کا مہان ویکتتو** (ہندی)	محمد تنویر خان قادری بدایونی
۴۷	**احادیث قدسیہ** (ہندی)	مولانا اسیدالحق قادری
۴۸	**عقیدۂ شفاعت** (گجراتی)	سیدنا شاہ فضل رسول قادری
۴۹	**Call to Action**	Maulana Abdul hamed qadri
۵۰	**100,Hadith Qudsi**	Maulana Usaid ul Haq Qadri